ماہنامہ
دخترانِ اسلام
لاہور
نومبر 2020ء

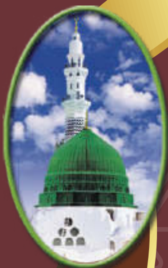

دارِ ابی طالب پہلا مرکزِ توحید تھا

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اخلاق و اوصاف

علامہ اقبالؒ: ایک ہمہ گیر شخصیت

صبر کی اہمیت اور ہمارا معاشرہ

ماحولیاتی آلودگی، ہماری ذمہ داریاں اور اسلامی تعلیمات

منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیرِ اہتمام ''ربیع الاوّل پلان لانچنگ'' تقریب کی تصویری جھلکیاں

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ لاہور

دخترانِ اسلام

جلد: 27 شمارہ: 10 / ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ / نومبر 2020ء

زیرِ سرپرستی
بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر
قرۃ العین فاطمہ

ایڈیٹر
اُم حبیبہ

ڈپٹی ایڈیٹر
نازیہ عبدالستار

مجلس مشاورت

نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ، ڈاکٹر نبیلہ اسحاق
ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز، مسز حلیمہ سعدیہ
مسز راضیہ نوید، سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرویا، ڈاکٹر نورین روبی

رائٹرز فورم

آسیہ سیف، ہادیہ خان، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سمیعہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام —— فوٹوگرافی: قاضی محمود الاسلام

فہرست

اداریہ		
(ماحولیاتی آلودگی، ہماری ذمہ داریاں اور اسلامی تعلیمات)		4
فکرِ شیخ الاسلام — دارِ ابی طالب پہلا مرکزِ توحید تھا	مرتبہ: نازیہ عبدالستار	5
قوموں کی ترقی میں مقام صبر و رضا کی اہمیت	ڈاکٹر فرخ سہیل	9
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اخلاق و اوصاف	ڈاکٹر شفاقت علی بغدادی	12
صبر کی اہمیت اور ہمارا معاشرہ	تحریم رفعت	17
غوث الاعظمؒ کی علمی، فکری، تجدیدی و اصلاحی خدمات	ارشاد اقبال اعوان	21
اقبالؒ: ایک ہمہ گیر شخصیت	سعدیہ محمود	26
اقبالؒ کا نظریہ وطنیت اور بانگِ درا	حلیمہ سعدیہ	31
آپ کی صحت: سیلف میڈیکیشن مضرِ صحت ہے	ویشاء وحید	34
آپ کے سوالات کے شرعی جوابات	فریدہ سجاد	36
گلدستہ: قدرت کی نعمتوں سے استفادہ کریں	حافظہ سحر عنبرین	39

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدلِ اشتراک: آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ: 15 ڈالر — مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ: 12 ڈالر

ترسیلِ زر کا پتہ: منی آرڈر / چیک / ڈرافٹ بنام حبیب بنک لمیٹڈ منہاج القرآن برانچ اکاؤنٹ نمبر 01970014583203 ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت فی شمارہ -/35 روپے

سالانہ خریداری -/350 روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ. يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ.

(لقمان، ۳۱: ۱۶ تا ۱۸)

’’(لقمان نے کہا:) اے میرے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر خواہ وہ کسی چٹان میں (چھپی) ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں (تب بھی) اللہ اسے (روزِ قیامت حساب کے لیے) موجود کر دے گا۔ بے شک اللہ باریک بین (بھی) ہے آگاہ و خبردار (بھی) ہے۔ اے میرے فرزند! تو نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ بڑے ہمت کے کام ہیں۔ اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر، اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ ہر متکبّر، اِترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے‘‘۔

(ترجمہ عرفان القرآن)

فرمان نبوی ﷺ

عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ: لَمَّا حَضَرَ أُحُدٌ، دَعَانِي أَبِي مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ: مَا أُرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا فِي أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَإِنِّي لَا أَتْرُكُ بَعْدِي أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَإِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا، فَاقْضِ، وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْرًا. فَأَصْبَحْنَا، فَكَانَ أَوَّلَ قَتِيْلٍ، وَدُفِنَ مَعَهُ آخَرُ فِي قَبْرٍ، ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِي أَنْ أَتْرُكَهُ مَعَ الآخَرِ، فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ، فَإِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ هُنَيَّةً، غَيْرَ أُذُنِهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ.

’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب غزوہ احد کا وقت آ گیا تو میرے والد (حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ) نے مجھے رات کے وقت بلایا اور فرمایا: میں یہی دیکھتا ہوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سب سے پہلے میں شہید کیا جاؤں گا اور میں اپنے بعد کسی کو نہیں چھوڑ رہا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مجھے تم سے زیادہ عزیز ہو۔ مجھ پر قرض ہے اسے ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ صبح ہوئی تو سب سے پہلے وہی شہید کئے گئے اور ایک دوسرے (شہید) کے ساتھ دفن کیے گئے پھر میرا دل اس پر رضامند نہ ہوا کہ انہیں دوسروں کے ساتھ چھوڑے رکھوں لہٰذا (تدفین کے) چھ ماہ کے بعد میں نے انہیں نکالا تو وہ اسی طرح (تر و تازہ) تھے جیسے دفن کرنے کے روز تھے، سوائے ایک کان کے (جو کہ دورانِ جنگ شہید ہو گیا تھا)۔‘‘

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص ۴۰۵، ۴۰۶)

خواب

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
(کلیات اقبال، بال جبریل،ص:۶۵۴)

تعبیر

پاکستان کے لوگ کسی ایسی چیز کے طالب نہیں جو ان کی اپنی نہ ہو ہم دنیا کی تمام آزاد قوم کے لیے دوستی اور خیر سگالی کے جذبات رکھنے کے علاوہ اور کسی بات کے خواہش مند نہیں ہیں۔
(سفیر امریکہ کی تقریر کے جواب میں 26 فروری 1948ء)

تکمیل

جو چاہتا ہے کہ میں بطور میں مومن اللہ کے حضور پیش ہوں تو وہ اپنی سیرت کو سنوارے۔ اپنے اخلاق اور احوال کو سنوارے گویا وہ ایمان کو عمل صالح اور سیرت کے ساتھ جوڑے وہ کیسا ایمان ہے جس میں سیرت کی خوشبو نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو نیک سیرت اور اعلیٰ اخلاق کے ساتھ جوڑا ہے اور اس کے لیے اعلیٰ درجے جنت کے ہیں۔ یہ جز اس شخص کو ملے گی جو تزکیہ کرے گا اپنے من کو میل کچیل سے صاف کرے گا اپنے اندر سے تکبر، حرص و ہوس کو نکالے گا، غیبت و چغلی سے منہ موڑے گا۔ کنجوسی و بخیلی کو نکال کر اپنے اندر سخاوت داخل کرے گا۔ چہرے کی سختی کو نکال کر نرمی و مسکراہٹ داخل کرے گا۔ جس کے اخلاق، خصلتیں اور طبیعت بدل جائیں گی وہ فرش پر رہ کر عرشی طبیعت کا بن جائے گا۔
(ماخوذ از خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، ستمبر 2017ء)

اداریہ

ماحولیاتی آلودگی، ہماری ذمہ داریاں اور اسلامی تعلیمات

اللہ رب العزت نے زمین وآسمان کے مابین جو کچھ بھی تخلیق کیا وہ ایک مقررشدہ پیمانے کے تحت اپنی جگہ پر موجود اور حرکت میں ہے اور اللہ نے ہر چیز ایک خاص مقصد اور منفعت کے لئے تخلیق کی ہے، زمین وآسمان کا نظام ہو، نظام شمسی کی حیرت انگیزی ہو، ستاروں کے جھرمٹ اور کہکشائیں ہوں، چاند اور سایوں کا بڑھنا گھٹنا ہو، گردش لیل ونہار ہو، زمین ، پہاڑ، غار، اثمار وشجر، ذرائع نقل و حمل، زمین کے توازن اور اعتدال، پتھروں کی سختی، پہاڑوں کی سفیدی سرخی، معدنیات، دریا، سمندر، پانی، رخ بدلتی ہوائیں، نباتات، جمادات، حیوانات، پھل دار درخت نیز جو کچھ بھی ہے اس کی تخلیق کا سب سے زیادہ فائدہ انسان اٹھاتا ہے، اسلام میں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے، صفائی سے مراد ظاہری طہارت ہی نہیں بلکہ گردونواح کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنا بھی ایمان کی نشانیاں ہیں، انسان جب اللہ کے مقرر کردہ پیمانوں اور حدود و قیود سے تجاوز کرتا ہے یا اس کی حدود کو توڑتا ہے اور قانون فطرت کے منافی چلتا ہے تو اس کی گرفت بھی ہوتی ہے، گرفت کا ایک وقت مقرر ہے جسے یوم الحشر کہا جاتا ہے، اس دن ہرانسان اپنے حقوق وفرائض،افعال و اعمال اور جملہ معاملات زندگی کے ضمن میں جواب دہ ہوگا اور اس دن پورا پورا حساب ہوگا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں بھی اسے قانون فطرت کے خلاف جانے پر ایک سزا ملتی ہے، مثال کے طور پر جو شخص اپنے ظاہری جسم کو صاف نہیں رکھتا تو اسے بیماریاں گھیر لیتی ہیں ، وہ کسی نہ کسی مرض کی شکل میں اس کی قیمت چکاتا ہے اور یہ اس دنیا میں اس کی ایک سزا ہے، اسی طرح جب ہم اپنے گردونواح کے ماحول کو آلودہ کرتے ہیں تو اس کے مضمرات کا بھی ہمیں ہی سامنا کرنا پڑتا ہے، جب ہم اپنے گلی ، محلے کو گندہ کرتے ہیں تو اس ماحول میں ہم ہی سانس لیتے ہیں، جب ہم صاف پانی کو آلودہ کرتے ہیں تو اس پانی کو ہم اپنی خوراک کا حصہ بنا کر اپنے جسم کے اندر لے جاتے ہیں، ان بے اعتدالیوں کے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مضمرات ہوتے ہیں جس کا سامنا ہمیں کسی نہ کسی شکل میں روز مرہ کی زندگی میں کرنا پڑتا ہے، جیسے جیسے آلودگی کا سکیل بڑھتا ہے، ویسے ویسے انسانی زندگی کیلئے خطرات میں شدت آتی ہے ،آج کل ہم سموگ کی زد پر ہیں، یہ ایک نئی ماحولیاتی بیماری ہے جس کے تخلیق کار ہم خود اور ہمارے رویے ہیں، ہم درختوں کو کاٹ رہے ہیں، پہاڑوں کو کھوکھلا کررہے ہیں، پانی کو ضائع اور گدلا کررہے ہیں، زمینوں کو ناہموار اور بنجر کرتے چلے جارہے ہیں، ہم نے ماحول اور اپنی فضاء کو اس قدر آلودہ کر دیا ہے کہ زمین کا درجہ حرارت دن بدن بڑھ رہا ہے جسے گلوبل وارمنگ کہا جاتا ہے، رواں ماہ ایک رپورٹ نشر ہوئی کہ پاکستان بالعموم اور لاہور بالخصوص آلودہ ترین شہر کا درجہ حاصل کر چکا ہے، یہ ایک لمحہ فکریہ ہے، ایک ایسی قوم جو نبی آخر الزماں ﷺ سے والہانہ عشق کرتی ہے ، ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کو دنیا اور آخرت کی نجات کا ذریعہ سمجھتی ہے وہ قوم صفائی کے معاملے میں اتنی بے پروا ہوسکتی ہے یہ بات ناقابل فہم ہے، تاحال پاکستان کورونا وائرس کی تباہ کاریوں کی زد میں ہے، ہم نے دیکھا کہ قومی اور بین الاقوامی ہیلتھ ایکسپرٹس نے کووڈ 19 کا علاج صفائی بتایا ہے کہ اپنے ہاتھوں، چہرے، ناک، منہ کو صاف ستھرا رکھیں جبکہ یہی ہدایت ہماری نبی آخر الزماں ﷺ نے 14 سو سال قبل فرمائی تھی، ہم اپنے گھر، گلی اور محلے کی صفائی سے کتراتے ہیں ، ہماری گاڑیاں دھواں چھوڑتی ہیں، فضاء کو آلودہ کرتی ہیں مگر ہم اسے کوئی قباحت اور جرم نہیں سمجھتے، ہماری صنعتیں دن رات غلاظت اور آلائشوں کی پیداوار دے رہی ہیں مگر ہم بین الاقوامی حفاظتی سٹینڈرز کو نظر انداز کرتے چلے جارہے ہیں ،ہم نے صاف ستھری زمین کو بیماریاں کی آماجگاہ بنا دیا ہے جس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے کہ ہمارے گلیشیئر درجہ حرات اور آلودگی بڑھ جانے کی وجہ سے تیزی سے پگھل رہے ہیں اور ہم پانی جیسے خزانے سے تیزی سے محروم ہوتے جارہے ہیں اور اگر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی اسی طرح ناشکری کی جاتی رہی اور انہیں ضائع کیا جاتا رہا تو ایک دن اس خطے سے زندگی ناپید ہو جائیگی۔ماحولیاتی آلودگی سے بچنے اور زندگی کی صحت مند بقاء کے لئے ہمیں درخت لگانے اور ان کی حفاظت کرنا ہوگی، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ جس کے پاس زمین ہو، اسے اس میں کاشتکاری کرنی چاہیے، اگر وہ اس میں خود کاشت نہ کرسکتا ہو، تو وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو دے دے، تاکہ وہ اس میں کاشت کرسکے ،حضور ﷺ کی اسی ترغیب کے نتیجے میں صحابہ کرامؓ درخت لگانے کا اہتمام کرتے تھے۔ (ایڈیٹر: دختران اسلام)

فکرِ شیخ الاسلام

دارِ ابی طالب پہلا مرکزِ توحید تھا

آقا ﷺ نے دارِ ابی طالب میں مسلسل تین روز سردارانِ قریش کی دعوت کی

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا آج میرے چچا ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. (الشعراء، ۲۶:۲۱۴)

’’اور (اے حبیبِ مکرّم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرائیے‘‘۔

جب بعثت کے بعد اظہار نبوت کا وقت آیا کہ یہ پیغام سب سے پہلے اپنے اقربا تک پہنچا دیں۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى. (الشوریٰ، ۴۲: ۲۳)

’’فرما دیجیے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (میری) قرابت (اور اللہ کی قربت) سے محبت (چاہتا ہوں)‘‘۔

آپ ﷺ نے اسلام کی ابتداء اقربا سے کی جب اسلام کی ابتداء کی بات تھی تب بھی اقربا کام آئے جب اسی اسلام کی بقاء کی بات آئے تب بھی اقرباء تھے۔ آپ ﷺ نے کوہ صفا پر سب کو جمع کیا اس میں غیر لوگ نہیں تھے صرف سردارانِ قریش تھے۔ اپنی صداقت کے تصدق سے اللہ کو منوایا جن کے نصیب میں ایمان نہیں تھا ان میں پیش پیش ابولہب تھا اس نے کچھ نازیبا کلمات بھی کہے۔ اے محمد ﷺ! تم نے ہمیں یہ کہنے کے لیے جمع کیا تھا چنانچہ مجمع بکھر گیا۔ آپ علیہ السلام گھر آئے تو حضرت علی المرتضیٰؓ جن کی عمر مبارک 9 برس تھی ان کی عمر کے متعلق مختلف روایات ہیں آپ بالکل نوجوانی کی عمر میں تھے نوعمری میں بچہ درحقیقت باپ کے گھر میں رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور فرمایا کل ہم نے سب قریشی سردار کو بلایا تھا اب انہیں پھر اپنے گھر بلائیں تاکہ میں ان کو دعوت توحید دوں چنانچہ حضرت علیؓ نے سارے سردارانِ قریش کو بلاکر حضور ﷺ کی دعوت توحید کی اشاعت کے لیے دسترخوان بچھایا، کھانا پکایا اور آقا علیہ السلام کو بلایا یہ گھر علیؓ کا تھا یا ابی طالب کا تھا؟

یہ گھر ابو طالبؓ کا ہے۔ دار ارقم میں جو چھپے چھپے تبلیغ ہوتی تھی تین سال تک وہ مرکز توحید بعد میں بنا ہے۔ سب سے پہلے گھر جو مرکز توحید بنا وہ دار ابی طالبؓ ہے چنانچہ آقا تشریف لے گئے بکری کی رانیں بھونی، دودھ کے کٹورے رکھے، اہتمام سے کھانا بنایا اور سردارن قریش کو بٹھایا۔ آقا علیہ السلام کو بلاکر کہا حبیب اب آپ بیان کریں۔ پہلا جلسہ کوہ صفا پر، دوسری نشست دعوت وتوحید کی دار ابی طالب میں منعقد ہوئی۔ آقا علیہ السلام نے پورا خطاب کیا میزبان حضرت ابو طالبؓ تھے۔ منعقد کرنے والے حضرت علی المرتضیٰؓ تھے اس کے بعد دوسرے دن پھر دعوت کی، آقاؐ پھر تشریف لائے اور کھانا ہوا اور آقاؐ نے دعوت توحید دی، تیسرے دن پھر دعوت کی۔ دارِ ابی طالبؓ میں تین دن تک آقا علیہ السلام دعوت توحید دیتے رہے جب بیان ہو چکا اس میں حضرت ابی طالب کھڑے ہوگئے اس کو ابن اثیر

جہاں بھی پانی دیکھو وہاں سبزہ ہوگا اسی طرح جہاں آنسو ہوتے ہیں وہیں رحمت ہوتی ہے

امام طبری دیگر مورخین روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھیجے محمدﷺ تین دن آپ سے سن کر آپ کی مدد کرنا، ہمیں آپ کے عمل سے بھی محبت ہوگئی ہے ہم نے آپ کی نصیحت خوب قبول کرلی ہے۔

(ابن اثیر، تاریخ الکامل، ج۲، ص ۶۱)

حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ کی بات کی تصدیق کا اعلان کردیا اس کے بعد کوئی اور بھی اعلان رہ گیا۔

نبوت مصطفیٰﷺ کے دو گواہ ہیں ایک آپﷺ کے دادا ابو مطلب اور ایک آپ کے چچا حضرت ابو طالب اعلان نبوت ابھی مدتوں بعد ہونا تھا۔ آقا علیہ السلام پنگھوڑے میں تھے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا۔ آپﷺ کی عمر مبارک بہت تھوڑی تھی کہ مکہ میں دو سال سے قحط تھا۔ بارش نہ تھی لوگ بہت پریشان تھے۔ وادیاں سوکھ گئی تھیں فصلیں جل گئیں۔ سب لوگ پریشان ہوکر خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہوکر دعا کررہے تھے۔ کوئی لات کو پکارتا کوئی منات کو اور کوئی عزیٰ کو جب بارش نہیں ہوئی کسی نے بآواز بلند کہا کیا کرتے ہو؟ آؤ سب مل کر حضرت ابو طالبؓ کے پاس چلتے ہیں۔ سارے اہل مکہ کے معززین کا وفد حضرت ابو طالبؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت ابی طالب نے فرمایا رک جاؤ ذرا سورج ڈھل لے تیز ہوا رک لے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابو طالبؓ نے آپﷺ کو اٹھالیا۔ خانہ کعبہ کی طرف لے کر چل پڑے۔ ہر کوئی بارش مانگنے کے لیے بتوں کی طرف راجع تھا۔ حضرت ابو طالب لات کی طرف گئے نہ منات کی طرف وہ مصطفیٰﷺ کو اٹھا کر چل پڑے۔ (یہ اس وقت کی بات ہے جب آقا علیہ السلام کی عمر مبارک سال، 2 سال کی تھی جنہوں نے سال دو سال تک اتنا کچھ دیکھا کیا تھا کہ تین سو ساٹھ بتوں کو چھوڑ دیا۔)

اور آپ ﷺ کی پشت مبارک کعبۃ اللہ سے لگادی۔ آپ کو اٹھا کر کہا۔ اے رب! اے پروردگار، اے باری تعالیٰ اس بچے کے وسیلے سے بارش دے دے۔ کہتے ہیں کہ دعا کے کلمات ابھی فضاء میں گونج رہے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اتنی بارش ہوئی کہ خطرہ ہوگیا کہ کہیں مسجد نہ گر جائے اس موقع پر حضرت ابو طالبؓ کا کمال دیکھیں وہ شاعر بھی تھے انہوں نے آقاؐ کی شان میں جو شعر کہے اس کو امام بخاری نے جامع الصحیح میں لیا پھر عمر بھر اسی قصیدے میں لکھتے رہے۔ سو سے زائد اشعار ''ل'' کے کافیہ میں لکھ ڈالے اس کو قصیدہ لامیہ کہتے ہیں۔

اے گورے چہرے والے آپ کی ذات اتنی بابرکت ہے آپ کے چہرے کے صدقے سے بادلوں سے بارش لی جاتی ہے۔ (بخاری، الصحیح، ج۱، ص۳۴۲)

یہ دو سال کو دیکھ کر کہہ رہے ہیں کہ چالیس سال کا زمانہ دیکھ کر کہہ رہے ہیں جو لوگوں نے چالیس سال بعد دیکھا ابی طالب کی نگاہ چالیس سال پہلے دیکھ رہی تھی۔ بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔ ہاشم کی بھوکی پیاسی ہلاکت میں گھری ہوئی اولاد ہر وقت آپ کو گھیرے رکھتی ہے کیونکہ ان کے لیے آپ کے دامن میں ساری نعمتیں ہیں، ساری فضیلتیں ہیں۔ فرمایا: میرے حبیبﷺ کی نبوت کا انکار کرنے والو سنو! بیت اللہ کی قسم تم نے غلط خیال کیا کہ تم ہم سے لڑ کر محمدﷺ کا راستہ روک لو گے۔ تم نے غلط خیال کیا کہ ہم محمدﷺ کے معاملے میں تم سے مغلوب ہوجائیں گے، نہیں اور ہم انہیں تمہارے حوالے کردیں گے اگر وقت آیا تو اس محمدﷺ کے اردگرد اپنی جانیں لے کر بچھ جائیں گے ان کی خاطر بیوی، بچوں کو بھی قربان کردیں گے۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طالبؓ کی گواہی حضورﷺ کے چالیس سالوں پر محیط ہے۔ حضرت ابو طالب متولی کعبہ تھے۔ عرب تاجروں کا قافلہ ملک شام کی طرف جارہا تھا حضورﷺ بھی ساتھ چل پڑے تھے۔ (صحیح بخاری، ج:۱، ص: ۱۲۷)

حضرت ابی موسیٰ اشعری راوی ہیں۔ راستے میں پہنچتے ایک مقام آیا جو بحیرہ راہب کی جگہ تھی اس نے حضورﷺ کو دیکھا قریب آگئے۔ آکر اتارا ساتھ لے گئے آپﷺ کا

ہاتھ پکڑ لیا اور اس نے کہا یہ رسول رب العالمین، یہ سیدالعالمین ہیں اللہ نے انہیں رحمت للعالمین بنا کر مبعوث کیا ہے۔

بوڑھے اشخاص سن کر بولے اے راہب یہ سارا کچھ تمہیں کیسے پتہ چلا تمہارے علم کی بنیاد کیا ہے؟ اس نے کہا خدا کی قسم میں نے دیکھا جب تم گھاٹی سے اترے کوئی پتھر، کوئی درخت ایسا نہ تھا جو انہیں دیکھ کر سجدہ نہ کر رہا ہو۔ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے درخت اور پتھر سوائے نبی کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ یہ نبی آخرالزمان ہیں۔ یہود اس کی تاک میں ہیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہاں یہودی آ نکلے اس نے پوچھا تم کیوں آئے ہو انہوں نے کہا ہمیں اپنے راہبوں نے خبر دی ہے۔ محمد ﷺ نبی آخرالزمان پیدا ہو چکا ہے وہ ان دنوں میں ملک شام کے سفر پر ہے ہم انہیں پکڑنے کے لیے نکلے ہیں۔ بحیرہ راہب نے ابو طالبؓ سے کہا تم نے دیکھ لیا اور سن لیا اسے شام میں نہ لے جائیں۔ یہ نبی آخرالزماں ہیں لوگ ان کے درپے ہیں۔ انہیں باحفاظت واپس بھیج دیں۔ اگر حضرت ابو طالبؓ بحیرہ راہب کی اس بات پر یقین نہ کرتے تو کہتے کہ مجھے خوش کرنے کے لیے کہہ رہا ہے، بات سنی ان سنی کر دیتے لیکن حضرت ابو طالبؓ نے حضور ﷺ کو واپس مکہ بھیج دیا۔ (جامع ترمذی)

راوی بیان کرتے ہیں جمعہ کا دن تھا آقا علیہ السلام منبر پر تھے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اتنا قحط تھا کہ درخت سوکھ گئے، لوگ مرنے کو تھے۔ حالت خطبہ میں ایک اعرابی کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہمارے مویشی ہلاک ہونے لگے، بچے بھوک سے مرنے لگے، قحط سالی کی انتہا ہوگئی۔ اللہ کے حضور ہمارے لیے بارش کی سفارش کر دیں۔ آقا علیہ السلام نے جب فریاد سنی تو حالت خطبہ میں مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ ابھی اٹھے تھے کہ بادل امڈ آئے، ابھی نیچے نہیں آئے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ آقا علیہ السلام جب منبر سے نیچے اترے تو ریش مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آٹھ دن گزر گئے اگلا جمعہ آ گیا بارش ایک لمحہ نہیں تھمی۔ آقا علیہ السلام پھر منبر پر خطبہ جمعہ کے لیے آئے پھر اعرابی کھڑے ہوگئے۔ یارسول اللہ! مر گئے خدا کے لیے اس بارش کو تھما دیں۔ میرے آقاؐ نے انگلی کھڑی کی اور عرض کیا باری تعالیٰ ہمارے گردو نواح میں ہو ہمارے اوپر نہ ہو جوں جوں اشارہ کرتے بادل چھٹتے جاتے تھے جہاں ضرورت رہی وہاں بارش رہی جو وادی بھر گئی وہاں رک گئی۔

امام حجر عسقلانیؒ نے بیان کیا جب یہ منظر ہو چکا آقا علیہ السلام یہ منظر دیکھ کر خوش ہوئے۔ اتنے ہنسے کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ کہنے لگے آج میرا چچا ابو طالب زندہ ہوتے تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی۔ ایسے موقع پر کون کیسے یاد کرتا ہے؟ کوئی کافر کو یاد کرتا ہے۔ آقا علیہ السلام کو یاد تھا کہ میرا چچا میرے چہرے کا وسیلہ دے کر بارش مانگتے تھے۔ اس سے بڑی بھی دلیل ایمان کوئی ہے۔ فرمانے لگے کوئی ہے جو مجھے اپنے چچا ابو طالب کے شعر سنا دے۔ حدیث میں ہے کہ کئی صحابہ کھڑے ہوگئے صحابہ نے عرض کیا: لگتا ہے کہ آپ ان کا یہ شعر سننا چاہتے ہیں۔ فرمایا ہاں پھر مولا علی المرتضیٰؓ نے یہ شعر گنگنایا۔

جب عمر مبارک ۱۱، ۱۰ سال کی ہو جاتی ہے۔ اب تنہا ابو طالب گواہ ہیں۔ 9 سال کی عمر میں جو کچھ بحیرہ راہب نے کہا تھا ابو طالبؓ نے اس پر عمل کر کے ایمان کی قبولیت کا اعلان کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ سب ان کے دشمن ہوگئے ہیں انہوں نے کہا میرے محبوب یہ دشمن ہوگئے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں مستقل آپ کے ساتھ ایک گارڈ رکھ دوں۔ تیرہ سال ہر روز یہ عمل رہا کہ ایک گارڈ مقرر کرتے جو طریقہ چچا نے بنادیا یہ مدینہ میں بھی جاری رہا یہاں تک یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (المائدہ، ۵: ٦٧)

’’اور اللہ (مخالف) لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا‘‘۔

اللہ نے آیت اتاری جبرائیلؑ میرے مصطفیٰ ﷺ کو بتا دیں اب گارڈ ہٹا دیں اب ہم خود تمہارے گارڈ ہوگئے ہیں۔ یہ تو تیرہ برس کا معمول تھا جب معاشرتی مقاطعہ ہو گیا تھا کفارو

مشرکین کو حضور ﷺ کی باتیں پسند نہیں آئیں۔ حکمرانوں کے تخت کو مصطفیٰ ﷺ کا وجود خطرہ لگنے لگ گیا تھا۔ انہوں نے کہا مصطفیٰ ﷺ نے ہمارے سرداریوں کے نظام کو چیلنج کر دیا ہے۔ بڑھتے بڑھتے وہ دشمنی یہاں تک پہنچی کہ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ پورے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کردیا اور شعب ابی طالب میں قید کردیا اس عرصے میں کیا معمول تھا امام ابونعیم الصفہانی بیان کرتے ہیں جب ہر کوئی اپنے اپنے بستر پر سو جاتا تو ابو طالب کہتے میرے پیارے محمد ﷺ آپ بھی سب کے سامنے اپنے بستر پر لیٹ جائیں کیونکہ دشمن مخالف جھانک کر دیکھتے تھے۔ حضرت ابو طالبؓ خود بیٹھتے تکتے رہتے جب اندھیرا چھا جاتا، دیکھتے اب کوئی نہیں دیکھ رہا ہوگا۔ حضرت ابو طالبؓ خاموشی سے مصطفیٰ ﷺ کو اٹھاتے، ادھر سے علی مرتضیٰؓ کو اٹھاتے اگر کوئی بدبخت تلوار لے کر حملہ کرے تو میرے علیؓ پر ہوجائے محمد ﷺ پر نہ ہو۔ اگر کوئی کہے کہ یتیم بھتیجے سے محبت بہت تھی۔ کوئی شک نہیں لیکن کوئی اس محبت پر بیٹا بھی قربان کرتا ہے؟

اگر یہ عمل بھتیجا سمجھ کر کرتے تو اوروں کو لٹاتے علی کو نہ لٹاتے۔ اگر علیؓ کو اس بستر پر لٹادیا تو محبت بھتیجا سمجھ کر نہیں بلکہ آخرالزماں کر کے کی تھی۔ اگلی رات دوسرے بیٹے کو لٹادیتے کسی بھائی کو لٹادیتے۔ تین سال تک ایک رات بھی مصطفیٰ ﷺ کو اپنے بستر پر نہیں سونے دیا۔ ایمان والوں کے ایمان ابوطالب کے تین سالوں کی راتوں کے اس عمل پر قربان ہوجائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام چھوٹی عمر میں ہیں بے آب و گیاہ ریگستان پر لیٹے ہیں۔ صفا مروہ کی پہاڑیاں اور وادیاں ہیں حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں دوڑ رہی ہیں ان کے دوڑنے نے صفا مروہ کو شعائر اللہ بنادیا۔ اس دوران حضرت اسماعیلؑ کی پیاس بڑھی انہوں نے ایڑی رگڑی ان کی ایڑی رگڑنے سے چشمہ نکل آیا وہ چشمہ چار ہزار سال سے رواں ہے وہ چشمہ حضرت اسماعیلؑ کی خاطر نکلا۔

ایک چشمہ مصطفیٰ ﷺ کی ایڑی سے بھی نکلا طبقات ابن سعد میں ہے۔ راوی حضرت عمر بن سعیدؓ انہوں نے حضرت ابو طالبؓ سے روایت کیا کیا کسی کافر سے روایت لی جاسکتی ہے؟ ''انہوں نے کہا کہ میں اپنے آقا ﷺ کے ساتھ ذوالمجاز میں تھا۔ مجھے شدت کی پیاس لگی تو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا مجھے پیاس لگی اور پانی نہیں مل رہا ہر طرف دیکھا آقاؐ پریشان ہوگئے کہ ہمارے چچا کو پیاس لگی ہے۔ آپ ﷺ نے ایڑھی ماری زمین سے چشمہ پھوٹ گیا۔ فرمایا چچا ابو طالبؓ یہ چشمہ آپ کے لیے ہے'' جو راز میری سمجھ میں آیا ہے وہ یہ کہ جو اپنے چچا کی ایک لمحے کی پیاس گوارا نہیں کرتے۔ غیرت ایمانی سے بتائیں کہ آقاؐ کو آخرت میں ابو طالبؓ کی پیاس گوارا ہوگی۔ آخرت میں لاکھوں چشمے چچا کو دے دیں گے۔

ابن جوزی اور دیگر محدثین نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ جب حضور ﷺ کا حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح کا وقت آیا تو حضرت ابو طالبؓ نے نکاح پڑھایا۔ مہر مصطفیٰ ﷺ کے عقد کا ابو طالب نے اپنی جیب سے ادا کیا۔ حضرت آدمؑ و حواؑ کا بھی نکاح اور مہر ہوا تھا۔ آدمؑ نے عرض کیا باری تعالیٰ ہمارا نکاح کون پڑھائے اور مہر کیا ہوگا؟ فرمایا: آدم وحوا دونوں مل کر میرے مصطفیٰ ﷺ پر درود پڑھ دو یہی مہر نکاح ہوجائے گا۔ ایمان والو! سوچنے کی بات ہے۔ حضرت آدم کا نکاح ہو تو مہر مصطفیٰ ﷺ کے درود کا رکھا جائے کیونکہ اسی صلب سے سب نبیوں نے آنا ہے۔ حضرت آدم و حوا کے نکاح پر مہر درود بر مصطفیٰ ﷺ ہو۔ مصطفیٰ ﷺ کا نکاح ہو تو مہر کسی کافر کی جیب سے قبول کرلیا جائے۔

حضرت خدیجہؓ جس کو نبی ﷺ کبھی نہیں بھولے۔ ابولہب، ابو جہل بھی چچا تھے کسی اور کا مہر گوارا نہیں کیا۔ ابو طالبؓ کی جیب کا مہر گوارا کیا کیونکہ اس میں سے حسینؓ نے آنا ہے۔ انہیں منتخب کیوں کیا؟ اس لیے جب اشاعت اسلام کا وقت آئے گا۔ اسلام کی ابتداء بھی ابو طالبؓ کے گھر سے ہوگی جب اسلام کی بقاء کا وقت آئے گا تو اسی کے اولاد حضرت حسین علیہ السلام کے در سے ہوئی۔

☆☆☆☆☆

قوموں کی ترقی میں مقام صبر و رضا کی اہمیت

نعمت کے چھن جانے پر راضی بر رضا ہونا صبر ہے

[illegible]

ڈاکٹر فرخ سہیل

اگر ہم اسلام کے اوائل میں مسلمانوں کی عظمت و کامرانی کے ساتھ کامیابیوں کا جائزہ لیں تو ان کے مقابلے میں ہمیں دوسری کوئی قوم نظر نہیں آتی اس کی بنیادی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ جہاں بھی باطل، حق کی راہ میں حائل ہوا اور اسلامی وقار کا مسئلہ درپیش ہوا تو مسلمانوں نے اللہ کی خاطر صبر و رضا کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے دینِ حق کی آبرو کو بچایا جیسا کہ زوال بغداد کے بعد سلطنت عثمانیہ کی داغ بیل اسلام کی نشاۃ ثانیہ ثابت ہوئی تو اس کے خلاف طاغوتی طاقتیں پھر سے متحد ہوگئیں جس کے نتیجے میں اتنی عظیم اور جلیل القدر اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور آج یہ وقت آن پہنچا ہے کہ مسلمان محض اپنے دفاع کے لیے جی رہے ہیں اور یہ فراموش کرچکے ہیں کہ کسی بھی پُرعزم اور باہمت قوم کے سامنے دفاعی پوزیشن اس کی بقا کی ضامن نہیں ہوتی اور نہ ہی اس قوم کا نصب العین شمار ہوتی ہے بلکہ مسلم قوم کا اصل نصب العین اللہ کی رضا کی خاطر صبرو استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے باطل قوتوں کے سامنے ڈٹ جانا ہے اور اگر اس راہ میں جان بھی قربان کرنا پڑے تو اللہ کی رضا کی خاطر دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جانوں کو بھی راہ حق میں قربان کردیا جائے کیونکہ صبرو رضا کے حصول کے لیے اولین شرط ہی اپنے آپ کو اللہ کی مرضی کا تابع بنانا ہے اور یہی اسلام کے وقار اور عظمت کی سربلندی کی دلیل ہے کہ دشمن طاغوتی طاقتوں کے سامنے اپنے ذاتی مفادات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے انقلاب آشنا فکروعمل سے دنیا کے نظام کو بدل ڈالا جائے کہ انسان ایسی منزل پر متمکن ہوجائے کہ ”فضلاً من اللہ و رضوانا“، یعنی صرف اور صرف اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب بن جائیں۔

قوموں کی ترقی میں صبر و رضا کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور جو قومیں صبر و رضا کے دامن کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہیں وہ زوال پذیر ہونا شروع ہوجاتی ہیں، مسلمان اقوام کے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ایک عظیم الشان مثال ہے جس کا اعتراف مغربی مفکرین کو بھی کرنا پڑا جیسا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب لکھتے ہیں کہ

”مغربی مفکرین اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنے تمام تر تعصّبات کے باوجود اسلام کی عظیم الشان تہذیب اور ثقافت کی نفی نہیں کرسکے انہیں برملا اعتراف کرنا پڑا کہ مسلمانوں نے یورپ کو تہذیب کی شائستگی کی دولت سے ہی نہیں نوازا بلکہ شخصیت کی تعمیر و کردار کے لیے بنیادیں فراہم کیں اور یوں کرہ ارض پر ان مہذب معاشروں کے قیام کی راہ ہموار کی جو آج بھی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں“۔

تاریخ عالم اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کتنا طویل عرصہ اندلس پر حکمرانی کی۔ سلطنت عثمانیہ کی بے مثال حکومت بھی اس بات کا بیّن ثبوت ہے یہ تمام کامیابیاں مسلمانوں کو اپنے کردار کی عظمت و بلندی سے حاصل ہوئیں لیکن جب مسلمانوں نے اپنے کردار کی عظمت کو پش پشت

دانائی کا تعلق بالوں کی سفیدی سے نہیں، عقل اور تجربے سے ہے

ڈال کر بے عملی کو اپنا شعار بنایا اور اپنی قومی و ملی غیرت کو غیروں کے آگے کم قیمت پر بیچ دیا تو زوال اور انحطاط مسلمانوں کا مقدر بن گیا۔

سیرۃ طیبہ کی قیادت میں 23 برس کے قلیل عرصے میں مسلمانوں نے جو عروج حاصل کیا وہ خلفائے راشدین کے دور کو منور کرتا رہا جبکہ اس کے بعد آہستہ آہستہ اسلامی سلطنت زوال پذیر ہوتی گئی جس کی وجہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بے عملی تھی کیونکہ انفرادی زندگی کا نصب العین انسان کو ایک ایسے بلند مقام پر پہنچاتا ہے جس میں اللہ کی رضا شامل ہوتی ہے جس کے لیے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ.

''اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے''۔

اور یہ مقام انسان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے جدوجہد کرے اور اپنی انفرادی زندگی میں انقلاب برپا کرے۔ انسان کی یہ جدوجہد اس کے تزکیہ نفس سے مربوط ہے جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہورہا ہے کہ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا.

''بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا''۔

اور جب انسان اپنے نفس کو پاک و طاہر کرلیتا ہے تو وہ اس نصب العین کو پالیتا ہے جو اس کی زندگی کا محور و مرکز ہے اور اس کا اطلاق قانون الٰہی کی پاسداری ہے۔ پاکیزہ و طاہر نفس اپنے آپ کو رضائے الٰہی کا تابع کردیتا ہے۔ تمام معاملات میں اس کے سامنے اللہ کی رضا اور خوشنودی موجود رہتی ہے تاکہ اللہ کی رضا کو حاصل کیا جاسکے اللہ کی رضا کی خاطر صبر کرنا بھی اس کے نیک و صالح بندوں کا خاصہ ہے جو اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لیے مشکل سے مشکل مقامات پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوتے مشکل ترین مرحلوں پر ان کے دل میں توکل علی اللہ ہی موجزن رہتا ہے اور ان کی زبان پر کلمہ شکر جاری رہتا ہے۔

اب اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ مقام صبر و رضا کا مفہوم کیا ہے اور مقام صبر و رضا کیا ہے؟ اور اس مقام کو پانے کے لیے انسان کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے لہذا اللہ پر یقین کے مقامات میں سے سب سے بلند ترین مقام خدا تعالیٰ کی رضا کا ہے جس کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

رضی اللہ عنھم ورضو عنہ کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔

یعنی اللہ عزوجل کے بندے سے راضی ہونے کی واحد شرط یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی رضا کے ساتھ اپنی مرضیوں کو جوڑ دے اللہ کی مرضی کے ساتھ اپنی خواہشات کو ختم کردے جیسا کہ ایک روایت کے مطابق حضرت لقمانؑ نے رضا کو توحید سے ملاتے ہوئے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ

''میں تجھے ایسی خصائل کی وصیت کرتا ہوں جو تجھے اللہ کے قریب کردیں گی اور اس کی ناراضگی سے دور کردیں گی۔ پہلی یہ کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائے اور دوسری یہ کہ پسند اور ناپسندیدہ ہر معاملہ میں اللہ کی تقدیر پر راضی رہے''۔

اور اہل رضا کے نزدیک معمولی معمولی بات کا شکوہ کرنا بھی عدم رضا کی علامت ہے اور ان مشکلات میں اپنے قلب کو ہلکان نہ کرے بلکہ قلب سے رضا وتسلیم رکھے۔ ذہن کو مطمئن اور اطاعت گزار بنالے اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار سے عرض کی کہ

''اے پروردگار مجھے وہ بات بتایئے کہ جس میں تیری رضا ہو کہ میں اس پر عمل کروں اللہ کی طرف سے ان پر وحی نازل ہوئی کہ میری رضا تیری ناپسندیدگی میں ہے اور جو تجھے ناپسندیدہ ہے تو اس پر صبر نہیں کرتا''۔

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ''اے پروردگار مجھے وہ بتادیں تو فرمایا تیری رضا میری قضاء کے ساتھ تیرے راضی رہنے میں ہے''۔

اسی طرح شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب لکھتے ہیں کہ

''مرحلہ رضا کا پہلا درجہ ترک الاختیار قبل القضاء ہے''۔ یعنی جب قضاء کی چھری چلنے لگے اور بچنے کا اختیار بھی ہوتو اختیار رکھتے ہوئے بھی خود کو قضاء سے نہ بچایا جائے''۔

صوفیا کرام توکل علی اللہ کے تین مراحل بیان کرتے ہیں جن سے انسان پروردگار کی بارگاہ میں خوشنودی حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔مرحلہ صبر ۲۔مرحلہ توکل ۳۔مرحلہ رضا

پروردگار عالم ہمیں زندگی میں بہت سے کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور بعض کاموں سے بچنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ مثلاً حلال پر چلنے اور حرام سے بچنے کا حکم اللہ کی جانب سے ہے اس پر عمل کے دوران جو بھی پریشانیاں یا مصائب و آلام آئیں ان کو بخوشی برداشت کرنا صبر عظیم کہلاتا ہے یعنی راہ حق میں آنے والی تمام پریشانیوں، مصائب و آلام اور آزمائشوں پر پورا اترنے کا نام صبر ہے۔ اس کے علاوہ صبر کا دوسرا درجہ صبر علی اللہ ہے یعنی بارگاہ پروردگار سے جو کچھ میسر ہو اس پر خوش رہنا صبر علی اللہ ہے جبکہ ''صبر مع اللہ'' صبر کا تیسرا درجہ ہے کہ اگر زندگی میں کوئی ایسا وقت آجائے کہ جس میں پریشانیاں اور رنج و مصائب انسان پر یکدم حملہ آور ہوں اور انسان عین اس موقع پر اللہ کے لیے صبر کرے اور تکلیف کا قطعاً احساس نہ کرے۔

جیسا کہ حضرت علیؑ شیر خدا کی مثال کہ جس میں آپ کے جسم اطہر میں تیر اس قدر گہرا پیوست ہوگیا تھا کہ اس کا نکالنا تکلیف کا باعث تھا تو آپؑ نے فرمایا تھا کہ جس وقت میں نماز ادا کروں تو یہ تیر نکال دینا اور اس عمل سے اگرچہ خون کثرت سے بہا مگر آپ بدستور نماز میں مشغول رہے اور کسی بھی قسم کی تکلیف کا اظہار نہیں کیا۔ صبر کا سب سے مشکل ترین مرحلہ عاشقوں کا صبر ہے جو الصبر فی اللہ کہلاتا ہے کہ جس میں اوامر و نواہی پر عمل کرتے ہوئے ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کرنا اور پھر خوشی و غمی کے موقعوں پر صبر کرنا مصائب والم کو برداشت کرنا محبوب حقیقی سے وصال کی محرومی اور ہجر و فراق کے لمحوں میں صبر کرنا یہاں تک کہ تمام مراحل میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کو مدنظر رکھنا کہ خدا خود ان کے لیے فرمائے۔

اولئک علیھم صلوات من ربھم یعنی ایسے لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے نوازشیں ہیں اور رحمت ہے۔

صبر کی تمام منازل طے کرنے کے بعد توکل کا درجہ آتا ہے یعنی جب کوئی نعمت چھن جائے تو اس پر بھی راضی برضائے تعالیٰ رہنا اور ایسے متوکلین سے اللہ محبت کرتا ہے۔

مرحلہ رضا اس وقت شروع ہوتا ہے جب انسان صبر کی تمام منازل کو عبور کرکے توکل کی منازل بھی سر کرلے اگرچہ مرحلہ رضا تک رسائی اور اس پر ثابت قدمی بڑا دشوار گزار مرحلہ ہے جہاں بڑے بڑے اولیاء اللہ کے قدم بھی ڈگمگاجاتے ہیں لیکن امت محمدی میں ایک ایسا ولی باصفا گزرا ہے جس نے صبر و توکل کی تمام منازل طے کرتے ہوئے رضائے الٰہی کے اس مقام کو پایا جس کی مثال کہیں نہیں ملتی وہ عظیم المرتبت شخصیت نبی محترم ومکرم کا نواسہ اور علیؑ و فاطمہؑ کے جگر گوشہ حسین علیہ السلام ہیں جو مقام صبر و رضا کی اس منزل پر متمکن نظر آیا جو سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ اپنی شہادت پر علم و اختیار کے باوجود اسے قبول کیا جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ بچپن ہی سے اپنی شہادت کی خبر رکھتے تھے لیکن آپ نے یزید کی بیعت قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے شہادت کو ترجیح دی اور مقام صبر و رضا کے اعلیٰ ترین مرحلے پر اس طرح پورے اترے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مژدہ جانفزا سنایا گیا کہ

''اے وہ نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف واپس چل اسی طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر تو میرے برگزیدہ بندوں میں شامل ہوجا اور میری بہشت میں داخل ہوجا''۔

لہٰذا شہادت حسینؑ کا سب سے اہم پیغام اللہ کی رضا کی خاطر عملی جدوجہد کا پیغام ہے اور تاریخ اسلام بھی اس بات پر گواہ ہے کہ جب تک مسلمان مشیت ایزدی پر لبیک کہتے ہوئے صبر و رضا کا دامن تھامتے ہوئے انسانیت کی فلاح اور حق کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگادیتے ہیں تو وہ کامیابی و فتح سے ہمکنار ہوجاتے ہیں لیکن اس کے برعکس اگر وہ صبر و رضا کو ترک کرتے ہوئے طاغوتی طاقتوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں تو ناکامی و شکست ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اخلاق و اوصاف

قول و فعل میں ہم آہنگی انسان کے سچا ہونے کی علامت ہے

[illegible]

ڈاکٹر شفاقت علی البغدادی الازہری

اخلاق حسنہ اوراوصاف جمیلہ انسانی معاشرے کی مضبوطی اور بقاء کی بنیادی اقدار میں سے شمار ہوتا ہے جس معاشرے کے افراد اخلاق حسنہ کے اوصاف اور خوبیوں سے مزین ہوتے ہیں وہ معاشرہ بہترین تصور کیا جاتا ہے۔ اسلام جس ضابطہ اخلاق کی بات کرتا ہے وہ دنیا کے تمام ضابطوں سے بہترین اور اکمل ہے۔ علاوہ ازیں اخلاق حسنہ دنیا کے تمام مذاہب کا مشترکہ باب الہامی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین نے اصلاح معاشرہ کے لیے اخلاق حسنہ کی تکمیل پرزور دیا اور خاتم المرسلین نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق کو قرآن کریم نے خلق عظیم سے تعبیر فرمایا ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ(القلم،٤)

اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزیّن اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متّصف ہیں)

حضرت عائشہ سے کسی نے ایک دن پوچھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو آپ نے جواب دیا؟

كَانَ خُلُقُ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ الْقُرْآنَ (رواہ مسلم)

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے اثرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدس نفوس پر جب ظاہر ہوئے تو کوئی صداقت میں امام بن گیا ،کوئی عدل و انصاف کا علمبردار ٹھہرا ،کسی نے حضور کی ذات سے عکس سخاوت کی خیرات پائی اور کوئی شجاعت و بہادری کی مثال بن کر سامنے آیا۔ الغرض حضور کی ذات مبارکہ کے جمیع اوصاف و اخلاق کی خیرات سے صحابہ کرامؓ نے وافر اور کثیر حصہ پایا۔حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیماتِ اخلاق حسنہ صحابہ کے ذریعے آنے والے زمانہ تک پھیلتی چلی گئیں اور جمیع تابعین،اتباع التابعین ،سلف صالحین ،آئمہ و مجتہدین اور اولیائے کاملین نے اپنے اپنے زمانہ میں فیض حاصل کیا۔ بعدازاں اسی فیضِ اخلاق حسنہ کو عام کرتے ہوئے اولیائے کرام نے لوگوں کی زندگیوں میں روحانی، علمی، فکری، تربیتی و اخلاقی انقلاب برپا کیا اور افراد معاشرہ کے ظاہری و باطنی اخلاق کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ذیل میں ہم تمام اولیائے کے سردار امام الاولیاء، سلطان الاولیاء، محی الدین،غوث الوریٰ، حضورسیدناعبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اخلاق حسنہ کا تذکرہ کریں گے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمات و افکارکی وجہ سے مسلم دنیا میں آپ کوغوثِ الاعظم دستگیر کاخطاب دیا گیا ہے۔ آپؒ کا شمارنامور اولیاء اللہ میں ہوتاہے۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مادرزادکامل ولی تھے۔ آپؒ کاتعلق سادات گھرانے سے ہے۔ آپؒ حسنی وحسینی سید ہیں۔آپؒ کا سلسلہ نسب والدماجدکی طرف سے حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰؓ اوروالدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت سیدناامام حسینؓ سے ملتاہے۔ گویاآپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدماجدحسنی سادات سے اوروالدہ ماجدہ حسینی

سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح آپؒ نجیب الطرفین ہوئے۔یوں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے۔

کسی پر ظلم ہوتا دیکھتے تو آپ کو جلال آجاتا مگر اپنے معاملے میں کبھی غصہ نہ آتا، اگر بتقاضائے بشری غصہ آجاتا تو خدا تم پر رحم کرے سے زیادہ کچھ نہ فرماتے۔آپ فرمایا کرتے تھے اگر برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے تو یہ دنیا خونخوار درندوں کا گھر بن جائے

آپؒ کے اخلاق و عادات وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ کا نمونہ اور إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ کا مصداق تھے، آپ عالی مرتبت ،جلیل القدر،وسیع العلم ہونے اور شان و شوکت کے باوجود ضعیفوں میں بیٹھتے،فقیروں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے ،بڑوں کی عزت،چھوٹوں پر شفقت فرماتے، سلام کرنے میں پہل کرتے اور طالب علموں اور مہمانوں کے ساتھ دیر تک بیٹھتے ،بلکہ شاگردوں کی لغزشوں اور گستاخیوں سے درگزر فرماتے، اپنے مہمان اور ہمنشین سے دوسروں کی نسبت انتہائی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے ،آپ کبھی نافرمانوں، سرکشوں، ظالموں اور مالداروں کے لیے کھڑے نہ ہوتے نہ کبھی کسی وزیر و حاکم کے دروازے پر جاتے ،الغرض مشائخِ وقت میں سے کوئی بھی حسنِ خلق، وسعت قلب، کرمِ نفس، مہربانی اور عہد کی نگہداشت میں آپ کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ آپؒ علم و عرفان کا مینار تھے جس کا اعتراف آپ کے معاصر اور متاخر علماء نے کیا۔عجز و انکساری آپ کا وصف اور حق گوئی آپ کا خاصہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر آپ کا شیوہ تھا۔ بسیار گوئی سے پرہیز کرتے تھے۔غریبوں سے شفقت اور مریضوں کی عیادت آپ کا وطیرہ تھا۔سخاوت کا مجسمہ اور پیکر عفو و کرم تھے۔ نہایت رقیق القلب اور شرم و حیا میں اپنی مثال آپ تھے۔ وسیع القلب، کریم النفس، مہربان، وعدوں کے پاسدار، خوش گفتار اور خوش اطوار تھے۔ آپ بہت غریب پرور اور مساکین کی مدد کرنے والے تھے۔

شیخ معمر بیان کرتے ہیں: میری آنکھوں نے شیخ عبد القادر جیلانی کے سوا کسی کو اتنا خوش اخلاق، وسیع القلب، کریم النفس، نرم دل، مہربان، وعدوں اور دوستی کا پاس رکھنے والا نہیں دیکھا لیکن اتنے بلند مرتبت اور قدر و منزلت اور وسیع العلم ہونے کے باوجود چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے اور بزرگوں کا احترام کرتے، سلام میں ابتداء کرتے اور بزرگوں کے ساتھ بیٹھتے۔ فقراء کے ساتھ حلم و تواضع سے پیش آتے۔ کبھی کسی حاکم یا بڑے آدمی کے لیے کھڑے نہ ہوتے، نہ کبھی سلطان وزیر کے دروازے پر نہیں جاتے۔ (قلائد الجواہر صفحہ 19)

آپ نے اخلاق حسنہ کے بارے میں اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت فرمائی اور فرمایا اے بیٹے میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں اسے ہمیشہ یاد رکھنا:

اغنیاء کے ساتھ تم بھی بطور ایک غنی اور پروقار بن کر رہنا جبکہ فقراء کے ساتھ عاجزی اور تواضع سے رہنا۔

مخلوق میں سے خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ نزدیک وہ شخص ہے جو اخلاق میں سب سے زیادہ عمدہ اخلاق کا مالک ہے۔

فقراء کی خدمت کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ فقراء کے معاملہ میں تین چیزوں کی پابندی لازمی ہے :تواضع انکساری، حسن آداب، سخاوت نفس۔

اپنی حاجتوں کو کسی شخص کے سامنے نہ رکھنا، چاہے اس کے اور تمہارے بیچ محبت، مودت اور قرابت دوستی کا تعلق ہی کیوں نہ ہو۔

تمام اعمال میں سب سے زیادہ افضل عمل ایسی چیز میں التفات سے بچنا ہے جو خدا تعالیٰ کو اذیت دے یعنی اس کی ناراضگی کا سبب بنے۔

جب فقراء کو خواہشات آلیں تو تم ان سے کنارہ کشی کرنا کیونکہ حقیقی فقیر خدا تعالیٰ کی ذات کے سواء ہر چیز سے مستغنی ہوتا ہے۔

آپ کے اخلاق حسنہ اور اوصاف عظیمہ کے نمایاں پہلو درج ذیل ہیں:

عفوو درگزر:

انسانی معاشرے کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے والا اہم اخلاق اور بہترین عادت درگزر کرنا ہے۔کیونکہ درگزر کرنا معاشرے کو پرامن رکھتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ،109)

سو تم درگزر کرتے رہو اور نظرانداز کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے، بیشک اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ عفوو درگزر اور محبت و شفقت میں اپنی مثال آپ تھے۔آپ کی مجلس میں حاضر ہونے والا یہی سمجھتا کہ آپ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ میری عزت افزائی کی جاتی ہے۔آپ اپنے احباب کی خطاؤں سے درگزر فرماتے اور جو شخص قسم کھا کر کچھ عرض کرتا اس کی بات تسلیم کر لیتے اور اپنے علم کا اظہار نہ فرماتے۔

جس زمانے میں آپ مدرسہ نظامیہ میں پڑھاتے تھے اس دور میں خصوصی طور پر آپ نے طلبہ کی غلطیوں کو درگزر فرمایا، کسی پر ظلم ہوتا دیکھتے تو آپ کو جلال آ جاتا مگر اپنے معاملے میں کبھی غصہ نہ آتا، اگر بتقاضائے بشری غصہ آجاتا تو خدا تم پر رحم کرے سے زیادہ کچھ نہ فرماتے۔آپ فرمایا کرتے تھے اگر برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے تو یہ دنیا خونخوار درندوں کا گھر بن جائے۔

نرم دلی:

ایک روز آپؒ خلوت میں بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔آپ کے لباس و دستار پر چھت سے مٹی گری،تین مرتبہ تو آپ نے مٹی کو جھاڑ دیا،چوتھی مرتبہ آپ نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو ایک چوہا چھت کاٹ رہا ہے،محض نظر پڑنے سے ہی چوہے کا سر ایک طرف اور دھڑ دوسری طرف گرا،آپ لکھنا چھوڑ کر رونے لگے،راوی کہتا ہے کہ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا،آپ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ کبھی کسی مسلمان سے مجھے تکلیف پہنچے اور اس کی بھی وہی حالت ہو جو اس چوہے کی ہوئی۔

اسی طرح ایک روز آپ مدرسہ میں وضو کر رہے تھے اچانک ایک چڑیا نے ہوا میں اڑتے ہوئے آپ کے لباس پر بیٹ کر دی،آپ کے نظر اٹھاتے ہی وہ چڑیا زمین پر گری،وضو سے فارغ ہوکر لباس سے بیٹ کو دھویا اور جسم سے اتارکر فرمایا کہ اسے لیجا کر فروخت کر دو اور اس کی قیمت فقیروں کو خیرات کر دو کہ اس کا یہی بدلہ ہے۔

غریب پروری:

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ یتیموں،غریبوں اور مساکین کی ہمیشہ مدد فرماتے تھے۔آپ ﷺ نے محتاجوں کی حاجت روائی کی تلقین کی حتی کہ آپ کے پاس جب مال غنیمت آتا تو اس وقت تک آرام نہ فرماتے جب تک سب مال اللہ کی راہ میں فقراء کو تقسیم نہ فرما لیتے حتی کہ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے:

"والذی نفس محمد بیده، لو ان عندی احدا ذهبا، لاحببت الا یاتی علی ثلاث لیال وعندی منه دینار اجد من یتقبله منی لیس شیء ارصده فی دین علی"(رواه بخاری)

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا، تو میں پسند کرتا کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے دے دوں اور اپنے پاس ایک دینار تک نہ چھوڑوں سوائے اس کے کہ قرض چکانے کے لیے کچھ رکھوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا فیض تھا جس کی وجہ سے سیدالاولیاء حضرت شیخ عبدا لقادر جیلانیؒ ہمیشہ حاجت رواؤں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔آپ بہت رقیق القلب اور غریبوں، مسکینوں کے لئے سراپا رحمت تھے، فقراء سے بے حد محبت فرماتے، انہیں اپنے ساتھ بٹھاتے، کھانا

کھلاتے اور ان کی جو بھی خدمت بن آتی کرتے۔ کسی شخص کو تکلیف اور دکھ میں مبتلا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنی شہرت کے زمانہ میں حج کے ارادہ سے نکلے، جب بغداد کے قریب ایک موضع میں جس کا نام حلہ تھا پہنچے تو حکم دیا کہ یہاں کوئی ایسا گھر تلاش کرو جو سب سے زیادہ ٹوٹا پھوٹا اور اجڑا ہوا سا ہو، ہم اس میں قیام کریں گے اگرچہ وہاں کے امیروں اور رئیسوں نے بڑے اچھے اچھے مکانات آپ کے سامنے قیام کرنے کے لیے پیش کیے لیکن آپ نے انکار فرما دیا، تلاش بسیار کے بعد ایسا ایک مکان مل گیا جس میں بڑھیا، بڈھا اور ایک بچی تھی، آپ نے بڑے میاں سے اجازت لے کر رات اس مکان میں گزاری اور وہ تمام نذرانے اور ہدایا جو نقد، جنس اور حیوانات کی صورت میں آپ کو پیش کیے گئے تھے یہ کہہ کر کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں وہ تمام کے تمام بڑے میاں کو دیدیے، حاضرین نے بھی آپ کی موافقت میں تمام مال و اسباب ان بڑے میاں کو دیدیا اللہ تعالیٰ نے اس بوڑھے کو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے ایسی دولت عطا فرمائی کہ ان کی اطراف میں کسی کو نہ ملی۔

خدمت خلق:

سخی اللہ کا دوست اور سخاوت مومنین کی علامت ہے۔ ولی اللہ کبھی بخیل و کنجوس نہیں ہوتا۔ آپؒ نے ہمیشہ مخلوقِ خدا کی بھلائی کی، اپنے پاس آنے والوں کی راہِ ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائی، بے شمار مخلوقِ خدا کو دعاؤں کے ذریعہ نجات کے راستے پر گامزن کیا، اگر کوئی پریشان حال آیا تو اس کی بات سُن کر ہر ممکن مدد کی، مخلوقِ خدا آپ کو غمخوار جانتے ہوئے جوق در جوق آتی تھی اور آپ کی صحبت سے سکون حاصل کر کے جاتی۔

روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک تاجر نے آکر عرض کیا کہ میرے پاس ایسا مال ہے جو زکوۃ کا نہیں اور میں اسے فقراء و مساکین پر خرچ کرنا چاہتا ہوں لیکن مستحق و غیر مستحق کو نہیں پہنچانتا، آپ جس کو مستحق سمجھیں عطا فرما دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مستحق و غیر مستحق میں سے جس کو چاہو دے دو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ چیزیں دے جس کے تم مستحق ہو اور وہ چیزیں بھی عطا کرے جس کے تم مستحق نہیں۔

بعض مشائخ نے اس طرح وصف بیان فرمایا ہے کہ آپ بکثرت رونے والے، اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے، آپ کی ہر دعا فوراً قبول ہوتی، بدگوئی سے دور بھاگنے والے اور حق کے سب سے زیادہ قریب تھے، احکام الٰہی کی نافرمانی میں بڑے سخت گیر تھے

شیخ عبد القادر جیلانیؒ حقوق العباد کا بہت خیال رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام عز الدین بیان کرتے ہیں:

اس قدر تواتر کے ساتھ کسی کی کرامتیں نہیں ملتیں جتنی کہ سلطان الاولیاء شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے ظاہر ہوئیں۔ حضرت شیخ نہایت درجہ حساس تھے اور قوانین شرعیہ پر سختی سے عمل پیرا تھے اور ان کی طرف تمام لوگوں کو متوجہ کرتے تھے۔ مخالفین شریعت سے اظہار تنفر کرتے۔ اپنی تمام تر عبادات، مجاہدات کے باوجود آپ اپنی بیوی اور بچوں کا پورا خیال رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص حقوق اللہ و حقوق العباد کی راہوں پر گامزن رہتا ہے وہ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے مکمل اور جامع ہوتا ہے کیونکہ یہی صفت شارع علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کی بھی تھی۔ (قلائد الجواہر، ص:80)

ایثار و سخاوت:

آپ کا دل ہر قسم کے دنیاوی لالچ سے بے نیاز تھا۔ فیاضی کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ نے تجارت کا پیشہ بھی اپنا رکھا تھا اور اس سے جو لاکھوں روپے آتے تھے اس سے اللہ کے غریب بندوں کی امداد کیا کرتے تھے۔ آپ کے جلیل القدر معاصر حضرت شیخ معمر جرارہ فرماتے ہیں۔

شیخ عبد القادرؒ جیسا فراخ دل، پابند عہد باوفا اور

بامروت انسان میری نظروں سے نہیں گزرا وہ اپنی عظمت روحانی اورفضیلتِ علمی کے باوجود بہت ہی متواضع تھے ۔

آپ نے ایک روز ایک فقیر کو شکستہ خاطر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھا دریافت فرمایا کہ کس خیال میں ہو اور کیا حال ہے ۔اس نے عرض کیا کہ میں دریا کے کنارے گیا تھا ،ملاح کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا کہ کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کرتا ۔ابھی فقیر کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ ایک شخص نے تیس اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی آپ کی نذر کی ،آپ نے وہ تھیلی اسی وقت فقیر کو دے کر فرمایا اسے لے جا کر ملاح کو دے دو ۔

قول وفعل کی ہم آہنگی :

اللہ رب العزت نے قرآن میں ارشادفرمایا۔

یَـا أَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُـوا لِـمَ تَـقُـولُـونَ مَـا لَا تَفْعَلُونَ(الصف،02)

اے ایمان والو !تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جوتم کرتے نہیں ہو۔

قول وفعل میں ہم آہنگی اور مطابقت انسان کے دیانتدار اور سچا ہونے کی پائیدار علامت ہے ۔ایک داعی اور مربی کے لیےضروری ہے کہ اس کےقول وفعل میں تضاد نہ ہو ورنہ ارادت مندوں میں شیخ کی بات کا کماحقہ اثر نہیں ہوتا۔ آپؒ کے قول فعل میں مطابقت اس قدر تھی کہ ایک مرتبہ مدرسہ نظامیہ میں مسئلہ قضاء و قدر پر گفتگو فرما رہے تھے،اتنے میں چھت سے ایک بڑا سانپ آپ کی گود میں گرا اور آپ کے کپڑوں میں داخلہ ہو کر گردن کے گرد لپٹ گیا حاضرین دم بخود رہ گئے خوف کے آثار سب کے چہروں پر نمایاں تھے مگر آپ پرسکون رہے۔آپ نے نہ تو سلسلہ کلام قطع کیا اور نہ ہی پہلو بدلا۔سانپ اچانک آپ سے علیحدہ ہو گیا اور دُم کے بل کھڑا ہو کر کچھ بات کی اور چلا گیا۔حاضرین مجلس نے پوچھا حضرت یہ کیا ماجرا تھا۔تو آپؒ نے فرمایا اس نے مجھے سے کہا: میں نے متعدد بار اولیائے کرام کو اس طرح آزمایا مگر کوئی بھی آپ کی طرح ثابت قدم نہ رہا۔تو میں نے جواب دیا کہ میں قضاء و قدر کے موضوع پرتقریر کر رہا تھا اور تو ایک معمولی کیڑا ہے جسے قضاء و قدرحرکت وسکون میں لاتی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے قول وفعل میں تضاد پایا جائے۔

بعض مشائخِ وقت نے آپ کے اوصاف میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بڑے بارونق،ہنس مکھ،خندہ رو، بڑے شرمیلے، وسیع الاخلاق، نرم طبیعت، کریم الاخلاق، پاکیزہ اوصاف اورمہربان وشفیق تھے۔جلیس کی عزت کرتے اور مغموم کو دیکھ کر امداد فرماتے ہم نے آپ جیسا فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا۔

بعض مشائخ نے اس طرح وصف بیان فرمایا ہے کہ آپ بکثرت رونے والے،اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے،آپ کی ہر دعا فوراً قبول ہوتی، نیک اخلاق ، بدگوئی سے دور بھاگنے والے اور حق کے سب سے زیادہ قریب تھے،احکام الٰہی کی نافرمانی میں بڑےسخت گیر تھےلیکن اپنے اور غیر اللہ کے لیے کبھی غصہ نہ فرماتے، توفیق خداوندی آپ کی رہنما اور تائید ایزدی آپ کی معاون تھی،علم نے آپ کو مہذب بنایا، قرب نے آپ کو مؤدب بنایا،خطابِ الٰہی آپ کا مشیر اور ملاحظہ خداوندی آپ کا سفیر تھا،انسیت آپ کی ساتھی اور خندہ روئی آپ کی صفت تھی ، سچائی آپ کا وظیفہ،فتوحات آپ کا سرمایہ، بردباری آپ کا فن، یاد الٰہی آپ کا وزیر،غور وفکر آپ کا مونس مکاشفہ آپ کی غذا اور مشاہدہ آپ کی شفاء تھے ۔آداب شریعت آپ کا ظاہر اور اوصاف حقیقت آپ کا باطن تھا ۔اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں آپ کے طریق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اخلاق حسنہ سے ہمارے دامن کو مزین فرمائے ۔آمین

اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخانؒ نے آپؒ کے حضور یوں نذرانہ عقیدت پیش کیا ۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے
کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا

☆☆☆☆☆

صبر کی اہمیت اور ہمارا معاشرہ

صبر، شکر نصف ایمان ہے اور یقین کامل ایمان ہے

[illegible]

عربی لغت میں صبر کے معنی برداشت سے کام لینے کے ہیں

تحریم رفعت

انسانی زندگی میں اکثر اوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں انسان اپنے ہوش و ہواس کو بھول کر جذبات کے سمندر میں بہہ جاتا ہے، انسان کے جذبات اس کی عقل وفہم پر پردہ ڈال دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ غیظ و غضب کی آگ میں جلنے لگتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس پر اسے یہ غیظ وغضب آ رہا ہے یا جس کی وجہ سے آ رہا ہے اسے نیست و نابود کر دے، اپنی پوری طاقت سے فوری کاروائی کرے اور دشمن کو آناًفاناً زیر کر دے۔ دین اسلام چونکہ مکمل ضابطہ حیات ہے لہٰذا اس نے انسان کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے جذبات میں فیصلہ کرنے سے منع فرماتے ہوئے اپنے ہوش و ہواس کو قابو میں رکھنے اور اچھی طرح غور وفکر کرنے کی ترغیب دی ہے جسے قرآن مجید نے صبر کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔

عربی لغت میں صبر کا معنی برداشت سے کام لینے۔ خود کو کسی بات سے روکنے اور باز رکھنے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں صبر کا مفہوم یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ صبر کے عمل میں ارادے کی مضبوطی اور عزم کی پختگی ضروری ہے۔ بے کسی، مجبوری اور لاچاری کی حالت میں کچھ نہ کرسکنا اور رو کر کسی تکلیف ومصیبت کو برداشت کرلینا ہرگز صبر نہیں ہے بلکہ صبر کا تانا بانا استقلال و ثابت قدمی سے قائم رہتا ہے اس وصف کو قائم رکھنا ہی صبر ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَؤُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ.

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبار دیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرتے ہیں اور اس عطا میں سے جو ہم نے انہیں بخشی خرچ کرتے ہیں۔ (القصص، ۲۸: ۵۴)

اللہ تعالیٰ دیگر نیک اعمال کے مقابلہ میں صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ. (الزمر، ۳۹: ۱۰)

(محبوب میری طرف سے) فرما دیجئے: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے جو اس دنیا میں صاحبانِ احسان ہوئے، بہترین صلہ ہے، اور اللہ کی سرزمین کشادہ ہے، بلاشبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب انداز سے پورا دیا جائے گا۔

شکر اخلاق، اعمال اور عبادات کا بنیادی جزو ہے۔ جذبۂ شکر کے بغیر تمام اعمال و عبادات بے معنی ہوجاتے ہیں۔

صبر میں اگر اخلاص موجود ہو تو انسان کی روح کو شفافیت ملتی ہے۔ ایک متحمل مزاج آدمی ہی جذبہ تخلیق سے آراستہ ہوتا ہے اس کے برعکس عدم برداشت آدمی کی تخلیقی صلاحیتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں شکر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مَّا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا. (النساء، ۴: ۱۴۷)

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ، اور اللہ (ہر حق کا) قدر شناس ہے (ہر عمل کا) خوب جاننے والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ شکر کو ملا کر ذکر کیا اور ان دونوں کو رفع عذاب کا باعث قرار دیا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ○

سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔ (البقرہ، ۲: ۱۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو کثرت سے قیام فرماتے اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ کثرتِ قیام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں سوج جاتے۔ آپ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ بندے ہیں پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا.

(مسلم، الصحیح، ۴: ۲۱۷۲، رقم: ۲۸۲۵)

کہا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

گویا پتہ چلا کہ صبر و شکر دونوں لازم و ملزوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ملا دیا اور قرآن حکیم میں دونوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ. (السباء، ۳۴: ۱۹)

تو وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہماری منازلِ سفر کے درمیان فاصلے پیدا کردے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں (عبرت کے) فسانے بنا دیا اور ہم نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے منتشر کر دیا۔ بیشک اس میں بہت صابر اور نہایت شکر گزار شخص کے لئے نشانیاں ہیں○

حضرت مغیرہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الشکر نصف الایمان والصبر نصف الایمان و الیقین الایمان کله.

صبر نصف ایمان ہے، اور شکر نصف ایمان اور یقین کامل ایمان ہے۔

(بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۱۰۹، رقم: ۴۴۴۸)

یعنی یقین دونوں کی اصل ہے اور یہ دونوں اس کے پھل ہیں۔

حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا غصہ اتارنے اور بدلہ لینے پر قادر ہو اور اس کے باوجود وہ اپنے غصہ کو دبائے اور قابو میں رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ وہ جنت کی آہو چشم حوروں میں سے جس کو چاہے لے لے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

یہیں تک نہیں، دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح مکہ کا تھا۔ دشمن اس دن مکمل آپ کے قابو میں تھے کہ اگر آپ چاہتے تو ایک ایک اذیت کا بدلہ لے سکتے تھے

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :یا رسول اللہ !آپ مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ جس پر میں عمر بھر کاربند رہوں، آپ نے فرمایا :غصہ کبھی مت کرنا، راوی کہتے ہیں اس شخص نے اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے بار بار یہی سوال لوٹایا، مجھے وصیت کیجیے، آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا، غصہ کبھی مت کرنا۔ (صحیح بخاری)

صبر میں اگر اخلاص موجود ہو تو انسان کی روح کو شفافیت ملتی ہے۔ ایک متحمل مزاج آدمی ہی جذبہ تخلیق سے آراستہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عدم برداشت آدمی کی تخلیقی صلاحیتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران،۳:۱۳۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

عدم برداشت اور بے صبری یقین اور اطمینان کی قوتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ لوگ دل برداشتہ ہو کر بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ معمولی معمولی باتوں پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ عدم برداشت کی وجہ سے اپنی جان کو ختم بھی کر دیتے ہیں۔

برداشت اور تحمل نئی امیدوں کو پروان چڑھاتی ہے۔ امید اور یقین کی قوت سے ہی انسانی معاشرے کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ برداشت معاشرتی ترقی اور رواداری کی نئی راہیں کھول دیتی ہے۔اس وقت پاکستانی معاشرے کو سب سے زیادہ ضرورت صبر وتحمل اور برداشت کی ہے۔ صبر وتحمل ہی ہمارے امن وسکون اور معاشرتی ترقی کی ضامن ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری قوتوں کے باوجود کبھی انتقامی جذبات سے کام نہیں لیا۔ قریش نے آپ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسمِ اطہر پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپ کی شان میں ہزار گستاخیاں کیں؛ مگر کوئی ایسی مثال نہیں کہ غیظ وغضب سے بے قابو ہوکر آپ نے کوئی کاروائی کی ہو، اگر آپ چاہتے تو ایک اشارہ میں ہزاروں خون آشام تلواریں نکل سکتی تھیں جو آپ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں کا کام تمام کرنے کے لیے کافی ہو جاتیں؛ مگر قربان جائیے رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے اس راہ کو اختیار کیا اور نہ مسلمانوں کو اس کی ہدایت دی؛ بلکہ موقع بہ موقع آپ صحابہ کرامؓ کے جذبات کو سکون دینے کی کوشش کرتے اور انھیں صبر وضبط تواضع و بردباری کا سبق سکھاتے رہتے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تو مکہ کا سارا ماحول آپ کے لیے اجنبی بن گیا، وہی

ہماری پستی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم وقتی طور پر جذبات کے رَو میں بہہ جاتے ہیں، جس سے دوررس نگاہ متأثر ہوجاتی ہے اور سوچ و تدبر کا مزاج نہیں رہتا۔ موجودہ حالات میں خاص طور پر سیرتِ نبوی کے اس پہلو کو اپنانے کی سخت ضرورت ہے

برداشت اور تحمل نئی امیدوں کو پروان چڑھاتی ہے۔ امید اور یقین کی قوت سے ہی انسانی معاشرے کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ برداشت معاشرتی ترقی اور رواداری کی نئی راہیں کھول دیتی ہے۔اس وقت پاکستانی معاشرے کو سب سے زیادہ ضرورت صبر و تحمل اور برداشت کی ہے۔صبر وتحمل ہی ہمارے امن وسکون اور معاشرتی ترقی کی ضامن ہے

لوگ جن کے بیچ آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی گزری، جو آپ کی امانت وصداقت کے بڑے مداح اور عاشق تھے، آپ کے مخالف اور جانی دشمن ہوگئے، آپ کے رشتہ دار اور اہل خاندان جن سے آپ کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں، ان کا بھی آپ کو کوئی سہارا نہیں ملا، وہ بھی انجانے اورنا آشنا ثابت ہوئے ،تنِ تنہا توحید کا پیغام لیے گھر سے باہر نکلے؛ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ حالات کا رخ بدل گیا، ناموافق ہوائیں اب موافق ہوگئیں، دشمنوں کے دل پسیج گئے اور پھر وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے دیوانے بنے کہ تاریخِ انسانیت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

طائف کا واقعہ کسے یاد نہیں ہے، بڑی تمنا اور آرزوؤں کے ساتھ اہل مکہ سے تنگ آ کرنبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا سفر کیا کہ شاید وہاں کے لوگ کچھ موافقت کریں؛ مگر وہ لوگ چار قدم اور آگے نکلے،صرف گالی اور تمسخر پر اکتفا نہیں کیا گیا؛ بلکہ اوباشوں کے ذریعہ اتنے پتھر برسائے گئے کہ قدمِ مبارک خون سے بھیگ گئے،ضعف و کمزوری سے طبیعت بوجھل ہوگئی۔ آپ تھک کر جب بیٹھ جاتے تو زبردستی آپ کو اٹھایا جاتا اور پھر پتھروں کی بارش برسائی جاتی اس عظیم حادثہ سے عرش پہ کہرام مچ گیا، عذاب کے فرشتے نازل کیے گئے ؛ مگرنبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب تھا :اگر ان لوگوں نے ایمان قبول نہیں کیا تو مجھے امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور اسلام سے وابستہ ہوں گی، اس صبر و برداشت کی کیا دنیا مثال پیش کرسکتی ہے؟

یہیں تک نہیں، دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح مکہ کا تھا۔ دشمن اس دن مکمل آپ کے قابو میں تھے کہ اگر آپ چاہتے تو ایک ایک اذیت کا بدلہ لے سکتے تھے؛ مگر آپ نے یہ کہتے ہوئے سب کو معاف فرمادیا:

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اذْھَبُوْا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاء

تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو

(سیرۃالنبی ۲/۳۴۲)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی صبر و تحمل سے لبریز ہے،کسی موقع پر بھی آپ نے نفسانی جذبات کا استعمال نہیں کیا، غیظ وغضب اور وقتی معاملات سے طیش میں آ کر کوئی بھی اقدام بلاشبہ ہزار مفاسد پیدا کرتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ تمام شعبہ ہائے حیات میں صبر وتحمل سے کام لیا جائے، آقا اپنے ملازم کےقصور اورلغزشوں کو معاف کرتے اور اگر وقتی طور پر کبھی آقا ناراض ہوجائے تو ملازم کو بھی اسے برداشت کرنا چاہیے، باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور بیٹااپنے باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے، میاں بیوی میں خلش ایک فطری بات ہے؛ مگر اسے باہمی صبروتحمل سے دور کرتے ہوئے زندگی کو خوش گوار بنانے کی کوشش کی جائے۔ غرض پرسکون اور کامیاب زندگی کے لیے صبر وتحمل اور قوتِ برداشت بنیادی عنصر ہے۔

ہماری پستی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم وقتی طور پر جذبات کے رَو میں بہہ جاتے ہیں،جس سے دوررس نگاہ متأثر ہوجاتی ہے اور سوچ و تدبر کا مزاج نہیں رہتا۔ موجودہ حالات میں خاص طور پر سیرتِ نبوی کے اس پہلو کو اپنانے کی سخت ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

غوث الاعظمؒ کی علمی، فکری، تجدیدی و اصلاحی خدمات

حضور غوث الاعظمؒ نے دلوں کو توحید الٰہی کا اسیر بنایا

آپؒ کا اندازِ بیان فیضِ ربانی کا دھارا تھا

آپ کی پیدائش ایران میں شمال فارس بحیرہ خزر گیلان میں ہوئی

تحریر: ارشاد اقبال اعوان

اللہ تعالیٰ نے کائنات انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے جنہوں نے دنیا کے کونے کونے میں اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔ اللہ رب العالمین کی معرفت کے شمعیں روشن کیں آخر میں نبی آخر زماں محبوب رب دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے جن پر نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کردیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدة،۵:۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اورتم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا“۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر اسلام کی تکمیل پر مہر تصدیق ثبت فرما دی اور واضح فرمادیا کہ کسی شارع کی مزید ضرورت نہیں مگر کار نبوت اب بھی باقی ہے کیونکہ سعادت و شقاوت نور وظلمت اطاعت وعصیان انسانی فطرت میں بطور جبلت ودیعت کی گئی ہیں اس لیے جب دنیاوی راحتیں و آسائشیں نفوس انسانی کو سیدھے راستے سے ہٹا کر گمراہی کی طرف موڑ دیتی ہیں تو احیاء دین کے لیے صلحاء عرفاء اقطاب و ابدال اور مجدد کو پیدا کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے پاکیزہ نفوس اور علم و حکمت سے ان خرابیوں، فتنہ سازیوں کا قلع قمع کرتے رہیں ان نفوس قدسیہ میں حضرت سیدنا الشیخ الامام ابو محمد محی الدین عبد القادر الگیلانی کا نام مبارک تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف میں جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے۔

ولادت باسعادت:

آپ کی پیدائش یکم رمضان 470 ھ بمطابق 17 مارچ 1078عیسوی میں ایران میں شمال فارس بحیرہ خزر شہر گیلان میں ہوئی جس کو کیلان بھی کہا جاتا ہے اسی لئے آپ کو شیخ عبدالقادر کیلانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ صدی ہے جس میں کئی جہات سے عالم اسلام پر حملے ہوئے اور مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائی گئیں لیکن ہمارے لئے رسالت مآب ﷺ کی زبان اقدس سے نکلی ہوئی بات سب سے بڑھ کر اہمیت رکھتی ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے:

”حضور ﷺ نے فرمایا پانچویں صدی ہجری کے قریب میری امت پر آفت کے پہاڑ توڑے جائیں گے جو کوئی اس سے بچ نکلے گا تو اسے استقامت نصیب ہوجائے گی“۔

حضور ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں ان سیاہ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ایک ایسے روشن مہتاب کی ضرورت تھی جس کی ضیاء پاشیوں کا فیض دائمی ہو لہذا اس دائمی فیض کا مہتاب سرزمین جیلاں سے طلوع ہوا جسے ساری دنیا غوث الاعظم

شیخ عبدالقادر الگیلانی کے نام پہچانتی ہے۔

تعلیم و تربیت:

آپ بچپن میں شفقتِ پدری سے محروم ہوگئے تھے۔ آپ کے نانا جان حضرت سیّد عبداللہؒ نے آپ کو آغوش کفالت میں لیا آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کی والدہ ماجدہ اور آپ کے نانا جان نے کی۔ آپ کا بچپن عام بچوں سے مختلف تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا قصد کرتا تو ہاطف غیب سے آواز آتی۔ اے مبارک ہماری طرف آ۔ میں یہ آواز سن کر ڈر جا تا اور دوڑ کر سیدھا اپنی والدہ کی گود میں آجاتا۔ آپ کے آغازِ تعلیم کا تو صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا مگر اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ آپ اپنے شہر کے مکتب میں پڑھنے جایا کرتے تھے۔

اعلی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حضرت غوث الاعظم نے اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت مرحمت فرمائی اور انہوں نے بغداد شریف جانے کی اجازت اس شرط پر دی کہ آپ ہمیشہ صدق پر قائم رہیں گے اور آپ کی والدہ ماجدہ سیدنا غوث اعظم کو الوداع کہتے ہوئے زار و قطار رو پڑی اور فرمانے لگیں اے نورچشم تمہاری جدائی خدا کے راستے میں قبول کرتی ہوں آپ جیسے ہی گھر سے نکلے ایک مختصر سا قافلہ گیلان سے روانہ ہو کر مرکز علوم فنون بغداد شریف کی طرف جا رہا تھا جب یہ قافلہ عراق کے ایک علاقہ ہمدان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے اس قافلے کو بڑی بے دردی سے لوٹ لیا تقریباً 60 کے قریب ڈاکوؤں کی تعداد تھی قافلے والے مارے دہشت کے دم بخود تھے ان میں ایک نوعمر بچہ جس کے چہرے پر بلا کا اطمنان تھا ایک ڈاکو نے سرسری طور پر پوچھ لیا کہ آپ کے پاس بھی کچھ ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! میرے پاس 40 دینار ہیں مگر ڈاکوؤں نے آپ کی تلاشی لی تو انہیں وہ نظر نہیں آئے۔ آپ نے بتایا کہ وہ دینار میری صدری (بغل کے نیچے سِلے ہوئے ہیں) وہ ڈاکو آپ کو اپنے سردار کے پاس لے گئے جو لوٹا ہوا مال تقسیم کر رہا تھا یہ خبر سن کر وہ چونک اٹھا جب اس نے سرکار غوث اعظم سے گفتگو کی۔ آپ کے حسن شاہانہ، وقار تمکنت اور اطمنان، پر اعتماد لہجے سے بہت متاثر ہوا۔ سردار نے حیران ہو کر سوال کیا کہ اگر آپ یہ چالیس دینار خود سے نہ بتاتے تو ہماری ادھر توجہ ہی نہ جاتی۔ آپ نے سچ بتانے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ تو اس روشن جبین بچے کا جواب سن کر اس کی دنیا ہی بدل گئی جہالت کے اندھیروں میں نور صداقت کی قندیل روشن ہوگئی۔ ڈاکو نے معصوم نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر دوبارہ سوال کیا۔ آپ کو سچ بولنے پر کس نے مجبور کیا؟ آپ نے فرمایا: میری والدہ ماجدہ نے مجھے رخصت کرتے ہوئے مجھ سے سچ بولنے کا وعدہ لیا تھا۔ یہ سن کر اس ڈاکو سردار کے لہجے میں آدب اور آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

جب اس ڈاکو کی کچھ حالت سنبھلی تو اس نے کہا آپ کس قدر مقدس ہستی ہیں اس چھوٹی سی عمر میں اپنی ماں سے کیا وعدہ نہیں توڑا اور میں اتنا بد نصیب کہ زندگی بھر اپنے رب کے وعدے کو توڑتا رہا۔ آپ کے عمل و کردار سے متاثر ہو کر وہ تائب ہوگیا اور آپ سے وعدہ کیا کہ بقیہ ساری زندگی خدا اور اس کے رسولﷺ کے احکام، فرامین پر عمل کرتے ہوئے گزاروں گا اس کے ساتھی بھی اس انقلاب کو دیکھتے ہوئے سب کے سب تائب ہوئے اور لوٹا ہوا سارا مال واپس کر دیا یہ پہلی کھیپ تھی جو والدہ کی تعلیم و تربیت، نصیحت کے نتیجے میں آپ کے دست اقدس پر تائب ہو کر واصلین بااللہ ہوگئیں۔

488ھ میں بغداد پہنچے جو اس وقت علم وفضل کا گھوارہ، علماء مشائخ کا مسکن اور علمی وسیاسی اعتبار سے مسلمانوں کا دارالسلطنت تھا یہاں آپ نے اپنے زمانہ کے معروف اساتذہ اور آئمہ فن سے اکتساب فیض کیا۔

تحصیل علم میں مشکلات ومصائب اور آپ کا صبر و استقامت:

زمانہ طالب علمی میں آپ نے بڑی صعوبتیں برداشت کیں لیکن آپ نے بڑی استقامت کے ساتھ ان مصائب کا سامنا کیا گھر سے چلتے ہوئے والدہ محترمہ نے چالیس دینار دیئے تھے وہ دینار ختم ہوگئے اور نوبت فاقوں تک آپہنچی اور یہیں سے آپ کی آزمائش شروع ہوگئی یہ کوئی عام انسان نہیں بلکہ وہ عظیم ہستی تھیں جسے آگے چل کر غوث الاعظم بننا تھا۔مخلوق خدا کو فیض پہنچانا تھا، احیائے اسلام وتجدید دین کا کام سنبھالنا تھا اور ان کے در سے لوگوں کو علم کی خیرات ملنی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ خود رزق کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے یہاں تو کیفیت یہ تھی کہ خدا کی رضا وہ ہماری رضا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے اور کسی سے کچھ طلب نہیں کیا ۔ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلسل کئی روز کھانے کو کچھ میسر نہ ہوا اور آپ ایک مسجد میں جا کر لیٹ گئے جو بغداد کے سوق الریحانین میں واقع تھی۔ آپ فرماتے ہیں شدت فاقہ سے یوں محسوس ہوا کہ اب موت آنے والی ہے اس دوران مسجد میں ایک نوجوان لڑکا کھانا لے کر داخل ہوا کھانا کھانے لگا تو مجھے بھی دعوت دی میں نے انکار کردیا اس نے قسم دے کر کھانے کے لئے کہا تو میں مجبور ہوگیا۔ میں نے چند لقمے لئے کھانے کے دوران اس نے پوچھا یہ بتائیں یہاں عبدالقادر نامی نوجوان تعلیم کے لیے آیا ہوا ہے اسے آپ جانتے ہیں؟ میں نے کہا وہ میں ہی ہوں یہ سن کر اس کا رنگ متغیر ہوگیا، پشیمانی کے ساتھ معذرت خواہ ہوا کہ آپ کی والدہ نے آپ کے لیے آٹھ دینار بھیجے تھے تین دن سے آپ کی تلاش میں ہوں مجھے کھانے کو کچھ نہ ملا تو میں نے اس میں سے کچھ پیسے خرچ کرکے یہ کھانا خریدا ہے اور اب میں آپ کا مہمان ہوں چنانچہ آپ نے بقیہ کھانا اور کچھ دینار اسے عنایت کرکے رخصت کردیا۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ رزق کی تلاش میں آپ نکلے اور جب کسی مقام پر پہنچے تو وہاں پہلے سے حاجت مندوں کو موجود پایا چنانچہ ان کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے واپس لوٹ آئے کیونکہ آپ ایثار وقربانی کا پیکر تھے۔ آپ فرماتے ہیں قیام بغداد کے ابتدائی ایام میں بیس دن ایسے گزرے کہ کھانے کو کچھ میسر نہ ہوا میں ایوان کسریٰ کے کھنڈرات کی طرف نکل گیا وہاں میں نے دیکھا کہ 70 (ستر) اولیاء اللہ بھی میری طرح قوت لایموت کی تلاش میں ہیں میں واپس چلا آیا یہاں آبائی وطن کا ایک شخص ملا اس نے مجھے کچھ دینار دیے اور کہا کہ یہ آپ کی والدہ نے بھیجے ہیں ایک دینار اپنے پاس رکھ لیا اور باقی کھنڈرات کی طرف جا کر ستر افراد میں تقسیم کردیئے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے بتایا میری والدہ ماجدہ نے بھیجے ہیں میرے دل نے گوارہ نہ کیا تنہا کھاؤں واپس آکر ایک دینار کا کھانا خرید کر غریبوں اور محتاجوں کو جمع کرکے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھایا یوں رات تک ان دینار میں سے کچھ نہ بچا۔

خطابات کا آغاز:

حضور غوث پاک کو آقا ﷺ کی زیارت ہوئی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ وعظ وتلقین کیوں نہیں کرتے۔ اس پر آپ نے بصد احترام عرض کیا میں عجمی ہوں۔ آپ ﷺ نے آپ کو وعظ وتلقین کی اجازت عطا فرمائی۔ فیضان گنبد خضرا سے فیض یاب ہوکر جب آپ خطاب فرماتے آپ کو سننے کے لیے ہر طبقہ خیال، و مکتبہ فکر کے لوگ، اصفیاء، فقہاء، مشائخ کے علاوہ خواص وعوام کی بڑی تعداد شامل ہوتی۔ بعض اوقات وزراء حکمران، غیر مسلم بھی سامعین ہوتے اور خطاب کے اختتام پر بیعت کرنے والوں کی طویل صف ہوتی۔ آپ کے مجمع میں 80 ہزار سے زائد لوگ شریک ہوتے اور چار چار سو کے قریب آپ کے مرید ان خطابات کو قلمبند کرتے۔ آپ ہفتے میں تین روز خطاب فرماتے۔ جب گفتگو فرماتے مجمع پر سناٹا چھا جاتا۔ سامعین کی عجیب کیفیت ہوتی کوئی آہ و بکا کررہا ہوتا، کوئی مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہوتا، کسی پر

وجد کی کیفیت طاری ہوتی، محبت وخشیت الٰہی کا ایسا غلبہ طاری ہوتا بعض اوقات کئی کئی جنازے اٹھتے۔ آپ کی آواز دوران خطاب دور و نزدیک کے سامعین برابر سنتے اور کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ نے دور پرفتن میں بغداد میں صدائے حق بلند کی آپ کسی خلیفہ کے دربار سے وابستہ نہیں تھے جیسا کہ اس دور کے اہل علم کا وطیرہ تھا۔ آپ کا موقف و استدلال قرآن و حدیث پر تھا آپ کا مقصد لوگوں میں اسلام کے لئے علم وعمل اور جذبہ وایثار پیدا کرنا تھا۔

لفظ غوث کی وجہ تسمیہ:

سیدنا الشیخ عبدالقادر کو غوث کیوں کہتے ہیں؟

دراصل "غوثیت" بزرگی کا ایک خاص درجہ ہے۔

لفظِ غوث کے لغوی معنی ہیں "فریادرس"۔ یعنی فریاد کو پہنچنے والا۔ چونکہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غریبوں، بے کسوں اورحاجت مندوں کے مددگار ہیں، اسی لئے آپ کو "غوث اِعظم" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور "پیران پیر دستگیر" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

نظامِ کائنات روز اول سے دو اقسام پر چل رہا ہے

ایک تشریعی نظام اور دوسرا تکوینی نظام تشریعی نظام کی سربراہی حضرت جبرائیل علیہ اسلام جبکہ تکوینی نظام کی جس میں ساری دنیا کے نام، موت، زندگی، رزق، حوادث، الام و مصائب، اولاد، خوشی، موت، غم، دکھ، الغرض وہ تمام امور جو کائنات میں پیش آتے ہیں ان کی انجام دہی حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل کے ساتھ دو دو عبادالصالحین شریک ہوتے ہیں جنہیں قطب القطاب کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضور ﷺ سے حضرت علی رضی کو سپرد ہوا جنہیں شاہ ولایت کہتے ہیں ان سے امام حسن حسین سے بارہ ائمہ تک پہنچا اور پھر سیدنا الشیخ عبدالقادر کو عطا ہوا۔

فکری واصلاحی تنظیم کا قیام:

حضور سیدی الشیخ غوث اعظم نے اپنی ایک علمی، فکری، روحانی، اصلاحی تنظیم ''نظام اولیاء الدین'' بنائی۔ اس تنظیم میں شامل ہونے کے لیے ان افراد کی اصلاح، تربیت، قیام وطعام کا انتظام و انصرام چلانے کے لئے ایک ادارہ قائم کیا گیا جو خانقاہ القادریہ کے نام سے مشہور ہوا اس کے کچھ اصول واضع کئے کیونکہ پورے عالم اسلام میں دین مبین کو زندہ کرنا آپ کا مشن تھا اس کے لئے آپ نے ایک نظام ترتیب دیا جس میں آپ خود قطب الاقطاب اعلیٰ کے منصب پر فائز تھے کثیر تعداد میں اقطاب، اوتاد، ابدال تیار کئے اور انہیں عہدے دیئے اور یوں دنیا کے کئی ممالک میں آپ نے اقطاب مقرر کئے۔ آپ نے فقط وعظ نصیحت، خطابت نہیں فرمائی۔ عملی جدوجہد کے ذریعے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عملی فریضہ انجام دیا اور معاشرے کے غرباء مسکین اور کمزور پسے ہوئے طبقے کی فریاد رسی کیلئے واضح نظام دیا اور ادارے بھی قائم کئے۔

تجدیدی خدمات:

عراق اور عرب دنیا میں یونانی فلسفے کے اثرات سے مسلمان بڑے متاثر ہو چکے تھے۔ ذہنوں میں تشکیک پیدا ہو چکی تھی۔ عقائد کی عمارت میں شگاف پڑ گیا تھا۔ چاروں طرف سے متعدد فتنوں کی یلغار ہو رہی تھی۔ عام مجالس میں میں بھی معتزلہ اور باطنیہ جیسے فرقے خلق قرآن، رویت باری تعالیٰ اور امتناع نظیر جیسے موضوع پر بحث ہوتی تھی اس دور فتن میں عہد ساز شخصیت ناگزیر تھی جو اپنے نور باطن سے ظاہری، باطنی فتنوں کا خاتمہ کرے اور اپنے عمل و کردار سے فرسودہ عقلوں پر ضرب کلیمی لگاتی۔ دین کی نبض شناس بن کر عوام کو قرآن و سنت کے تابع بنادیتی اس وقت ذات باری نے آپ کو تجدید و احیائے دین کے لئے غوث اعظم بنا کر بھیجا جس نے مسلمانوں کو اپنے عقائد پر ثابت قدم رکھا۔ آپ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ انسانی قلب اگر زندہ ہوجائے تو اسلام کی روح گمراہی و ضلالت ،فسق وفجور، کفر و شرک کی دسترس سے محفوظ رہتی ہے اور پھر بتدریج خیر و اصلاح کی راہیں ازخود

نکلنے لگتی ہیں۔

انہی اغراض و مقاصد کے تحت آپ نے مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر نئے سرے سے دینی جماعت کی بنیاد رکھی۔ اس تنظیم کے ذریعے کئی ممالک پر محیط تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی بڑی موثر تحریک پیدا کی جس کا مقصد اسلام سے حبی قلبی تعلق کو مستحکم کرنا اور عوام سے ربط و ضبط قائم کرنا تاکہ دینی، ایمانی، اعتقادی وابستگی کو کمزور نہ ہونے دیا جائے۔ بالآخر آپ کی تحریک نے از سر نو لوگوں کو تعلق باالله ربط رسالت قرآن و حدیث کی طرف مائل کیا۔

حکمرانوں و امراء کی اصلاح:

آپ بڑی جرات اور قوت ایمانی سے حکام و امراء کی غیر منصفانہ طرزعمل پر تنقید فرماتے اس وقت تک خطابات کا سلسلہ جاری رکھتے جب تک ریاست اور حکومتی ارکان منصفانہ نظام وضع نہ کر لیتے اور مظلوموں اور حق داروں کا حق ان تک پہنچا نہ دیتے۔ آپ نے کسی جابر حکمران کی طرح دماغوں پر حکومت نہیں کی اور جسموں کو پابند سلاسل نہیں کیا۔ زبانوں پر سفا کی و تشدد کے پہرے نہیں لگائے بلکہ آپ نے کمزور کمتر حقیر انسانوں کو بھی آزادی رائے کا حق دیا۔ چور ڈاکو فاسق و فاجر گناہ گاروں کے لیے بھی محبت و امن کا دروازہ کھلا رکھا۔ آپ نے اپنے خطابات سے ان کمزوریوں اور خرابیوں کی نشاندہی کی جو اس دور کے علماء اور امراء میں موجود تھیں یہی وجہ تھی کہ سیاہ کار آپ کے قدموں میں گر کر ہدایت یافتہ ہوگئے۔ یہ وہ انقلاب تھا۔ جس نے بھٹکی ہوئے انسانوں کے مضطرب دلوں کو اسیر کر لیا تھا ہزاروں عیسائیوں، یہودیوں، اور دیگر اقوام کے تعصب زدہ ذہنوں کو شرک و کفر کی دلدل سے نکال کر توحید و رسالت کے جام پلائے۔ آپ کا دور مسلمانوں کے سیاسی نشیب و فراز، مذہبی کشمکش، مادیت پرستی اور اخلاقی بے راہ روی کا دور تھا ان حالات میں آپؒ نے علم کی ترویج، اقامت دین اور امت کی روحانی تربیت کے ساتھ ایک خاموش انقلاب برپا کیا۔ آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی کو عیاں کیا اور فکر آخرت کو اجاگر کیا۔ آپ کے فکر انگیز خطابات کا ہی اثر تھا کہ سلطنت کے امور میں بھی انقلابی تبدیلی آئی۔ عوام پر عائد کیے گئے ٹیکسوں میں کمی کی گئی اور معاشرے میں خوشحالی نظر آنے لگی نیم مردہ معاشرے میں نئی جان پڑ گئی۔

سیدنا غوث الاعظمؒ کے افکار اور منہاج القرآن:

تحریک منہاج القرآن موجودہ دور فتن میں اسی تسلسل کی ایک کڑی ہے جو اصلاح احوال امت، احیائے اسلام اور تجدید دیں، اتحاد امت، قیام امن کیلئے اپنا عظیم انقلابی کردار ادا کر رہی ہے دینی، روحانی، معاشرتی، ثقافتی، اخلاقی اقدار کو پھر سے زندہ کررہی ہے۔ صوفیائے عظام، اولیاء کرام کے ساتھ حبی، قلبی روحانی تعلق کی راہیں مضبوط اور روشن کر رہی ہے۔ عصر حاضر میں بڑھتی ہوئی بے حیائی، بے راہ روی، عریانی، فحاشی، دین سے دوری اطاعت و عبادت سے لاتعلقی کی صورت حال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خود کو اور اپنی نسلوں کو اسلاف کاملین کے ساتھ وابستہ رکھیں اور مولانا جلال الدین عارف رومی نے فرمایا:

"یعنی لوگوں تم نے الله والوں کے ساتھ تعلق و صحبت کم کر دیا ہے اسی وجہ سے بہت زیادہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں''۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر اس دور میں صالحین کی صحبت، تعلق، سنگت اتنی ضروری تھی تو اس وقت تو ہماری قلبی، روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے کاملین اور صالحین کی تعلیمات اور صحبت و سنگت ناگزیر ہے۔ معزز قارئین! الله تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ ہمیں آج کے دور میں ولی ء کامل غوث وقت اور مجدد وقت کا زمانہ ملا، ان کی صحبت و سنگت ملی۔ دعا ہے کہ اپنے محبوب علیہ السلام کے تصدق اس عظیم رہنما کی رفاقت، صحبت اور سنگت ہمیشہ قائم رکھے۔ الله تعالیٰ ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆☆☆

اقبالؒ: ایک ہمہ گیر شخصیت

علامہ اقبالؒ کا پیغام صداقت کی وجہ سے دنیا کے ہر خطے تک پہنچا

[illegible]

تحریر: سعدیہ محمود

شخصیات، ادوار کی پہچان ہوتی ہیں کسی ایک زمانے میں بسنے والے لوگ اس دور کا حوالہ بن جاتے ہیں کیونکہ لوگوں کا اسلوبِ فکر اور طرزِ عمل ایسے معاشرے کو تشکیل دیتا ہے جو اس دور کے رجحانات کی عکاسی کرتا ہے اگرچہ عوام و خواص ہر معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں مگر فطرت کا ایک قانون تسلسل سے چلا آ رہا ہے کہ ہر دور میں کچھ ایسی شخصیات ضرور موجود ہوتی ہیں جو انسانیت کا ناز اور قوموں کا فخر بن کر وقت کے ماتھے پر اپنا نام یوں ثبت کر دیتی ہیں کہ تاریخ انھیں کبھی فراموش نہیں کر پاتی۔ ایسے لوگ ایک زمانے کے لیے نہیں رہ جاتے بلکہ آنے والا ہر زمانہ انھیں فکر و شعور کی مسند پر بٹھا کر ہمیشہ اپنے اندر زندہ رکھتا ہے اس پیرائے میں علامہ اقبال کی شخصیت کسی گوہر نایاب سے کم نہیں۔ تیرھویں صدی میں مولائے روم کے بعد علامہ اقبال ہی وہ شخصیت ہیں جن کا سکہ مشرق تا مغرب، بلا امتیاز مذہب و قوم ہر جگہ چلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں اگر یہ کہا جائے کہ علامہ اقبال نایاب میں بھی نایاب تر تھے تو یہ قطعاً مبالغہ آرائی نہ ہو گی۔

علامہ اقبال محض ایک شخصیت نہیں بلکہ تاریخ کا ایک مکمل باب ہیں جو جامعیت اور ہمہ گیریت کو یوں اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں کہ ان کی شخصیت کا احاطہ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ سادگی، سنجیدگی اور کم گو فطرت کے ساتھ علامہ اقبال ایک لطیف طبیعت کے مالک تھے مگر خاموشی کا عنصر طبیعت پر غالب تھا اور گھر میں عموماً آنکھیں بند کئے کسی سوچ میں مستغرق دکھائی دیتے۔ شاعری میں جھلکنے والی صاف گوئی اور نڈر پن کے برعکس ذاتی زندگی میں ان کا مزاج اظہار جذبات کے رجحان سے معدوم تھا یہی وجہ ہے کہ جاوید اقبال بیٹے کی نظر سے علامہ اقبال کی شخصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زندگی میں شاذونادر ہی ایسا موقع آیا ہو گا جب علامہ اقبال نے روایتی شفقت پدری کا اظہار کیا ہو۔ مگر اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ وہ اولاد سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ مزاجاً وہ ایسی شخصیت کے حامل تھے کہ ان کا ہر ردعمل اور اظہار خاموشی کے اندر ہی پنہاں رہتا۔ گھر میں بچوں کو کھیلتا مسکراتا دیکھ کر مسکراتے تو بظاہر یوں لگتا جیسے انھیں کوئی مجبوراً مسکرانے کو کہہ رہا ہو مگر یہ ساری سردمہری ایک انسان کے آنے سے رخصت ہوتی اور وہ تھے مولانا محمد علی جوہر جو کئی کئی دن علامہ اقبال کے گھر آ کے ٹھہرتے اور ان کے قہقہوں سے گھر گونج اٹھتا اگرچہ بظاہر خاموش مگر گھریلو معاملات سے لاتعلق ہرگز نہیں تھے۔ بچوں کی تربیت کے لئے جہاں سختی کی ضرورت پڑتی وہاں سختی سے کام لیتے۔ مگر بچوں سے بلا ضرورت ڈانٹ ڈپٹ پر زوجہ سے خفا بھی ہوتے۔

گھر میں کوئی بیمار ہو جاتا تو بار بار طبیعت کا پوچھتے۔ اور پریشانی میں آس پاس ٹہلتے رہتے۔ زوجہ کی وفات کے بعد ان کی چپ مزید بڑھ گئی مگر بچوں کی دیکھ بال کی ساری ذمہ داری خود لے لی۔

سمندر کے سکوت جیسی ٹھہراؤ والی طبیعت میں اگر

کبھی ہیجان پیدا ہوتا تو اس وقت جب کسی شعر کی آمد ہوتی۔ چہرہ متغیر ہو جاتا۔ بے چینی کے عالم میں کبھی بستر پر کروٹیں لیتے۔کبھی اٹھتے کبھی بیٹھتے اور کبھی گھٹنوں پر سر دیئے تادیر بیٹھے رہتے۔ اکثر اوقات رات گئے علی بخش کو آواز دے کر قلم دوات لانے کا کہتے۔ اشعار لکھ لینے کے بعد رفتہ رفتہ ان کی بے چینی ڈھلنے لگتی اور چہرہ پرسکون ہو جاتا۔

قرآن اور صاحبِ قرآن سے عقیدت اور انسیت کا جو تعلق علامہ اقبال کے ہاں دکھائی دیتا ہے وہ کسی پیمانے میں سما نہیں سکتا۔ قرآن سے آپ کا تعلق کبھی بھی محض قاری اور کتاب کا نہیں تھا بلکہ آپ کے اندر قرآن سے شغف ، اور فکر وشعور کے ساتھ مطالعہ قرآن کا ایک والہانہ پن موجود تھا۔ آپ اپنا ایک واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں روزانہ نماز فجر کے بعد قرآن کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ والد صاحب دیکھتے تو پوچھتے کیا کر رہے ہو۔ میں ہر روز ایک ہی جواب دیتا اور وہ خاموشی سے چلے جاتے۔ ایک دن آپ نے والد صاحب سے سبب دریافت کیا کہ آپ ہر روز ایک ہی سوال کرتے ہیں میں ایک ہی جواب دیتا ہوں اور پھر آپ خاموشی سے چلے جاتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ تم قرآن پڑھتے ہوتو یوں پڑھا کرو گویا قرآن اسی وقت نازل ہو رہا ہو اور گویا خدا تم ہی سے ہمکلام ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے قرآن کو برابر سمجھ کے پڑھنا شروع کیا اور یوں ہی پڑھا گویا ابھی نازل ہو رہا ہو۔

اسی طرح اپنے ایک خط میں علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ اب میں نے ساری کتب پڑھنا ترک کر دی ہیں سوائے دو کتب کے۔ ایک قرآن اور دوسری مثنوی مولانا روم۔

قرآن اور صاحب قرآن سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ قرآن کی تلاوت یا خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب ہو جاتیں۔ ایک دفعہ سورۃ مزمل کی تلاوت سن کر اتنا روئے کہ تکیہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ خود بھی خوبصورت لحن کے ساتھ قرآن پڑھتے۔

جاوید اقبال سے ایک واقعہ منقول ہے کہ وہ ایک دفعہ وہ اپنے والد کے ساتھ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری کے لئے گئے۔ آپ نے قرآن کا ایک پارہ منگوایا اور تلاوت کرنے لگے۔ آپ کی آواز کی گونج سے مزار کی فضاء جاگ اٹھی اور جب آپ کے چہرے کی طرف دیکھا تو آنسوؤں سے چہرہ تر تھا۔

گویا آپ نے قرآن کو نہ صرف پڑھا بلکہ سمجھا، اپنایا اور قرآن ہی بولا یہی وجہ ہے کہ فکروتدبر کے ساتھ قرآن سے محبت کی جو کیفیت اقبال کے ہاں ملتی ہے وہ فقید المثال ہے۔ آپ کے مجموعات میں ہر دوسرا شعر قرآن کی کسی آیت کا حوالہ دیتا یا تشریح کرتا دکھائی دیتا ہے۔آپ فرمایا کرتے کہ اگر میرا کوئی شعر قرآن کی بات سے خالی ہوتو بروزِ حشر مجھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو۔

ذکر رسول ﷺ اور ذکر مدینہ پر بے قرار ہوجاتے۔ گویا تڑپ اٹھتے اور آنکھوں سے زاروقطار اشک رواں ہو جاتے۔ اپنے ایک شعر میں خدا کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

مکن رسوا حضور خواجہ مارا
حساب من زچشم او نہاں گیر

اسی محبت کا ثمر تھا کہ آپ کا ہر لفظ، ہر شعر قلب و روح کو ایک آفاقی سوز و گداز اور جلا بخشتا ہے اسی صدق، عقیدت، محبت اور ایمان کا کمال ہے جس نے آپ کے کلام کو زندہ و جاوید کلام بنا دیا جو روحوں کو آب حیات کی طرح آبیار کرتا چلا جا رہا ہے۔

علامہ اقبال کی ذاتی زندگی کے مشاہد کے بعد یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ آپ سیاست میں بھی دلچسپی رکھتے ہوں گے مگر عظیم مقاصد کے ساتھ زندگی گزارنے والے لوگوں کی یہی شناخت ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کرتے اور یہی خصلت ان کی شخصیت میں ایسی معنویت اور عالمگیریت پیدا کر دیتی ہے کہ وہ زماں ومکاں کی قید سے ماوراء زمانوں تک لوگوں کے قلب و اذہان پر حکومت کرتے ہیں۔

زمانہ طالبعلمی سے ہی ایک اچھا شاگرد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا وسیع سماجی حلقہ احباب بھی موجود تھا کیونکہ آپ نے کافی ابتداء سے ہی مشاعروں اور محافل میں اپنا کلام سنانا شروع کر دیا تھا جس سے بڑی بڑی شخصیت آپ کے اندر موجود قابلیت اور صلاحیت کی معترف تھی اور بہت سے لوگ

آپ کی صحبت کے خواہاں رہتے تھے۔

ان سماجی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ آپ طلبہ تحریکوں میں بھی حصہ لیتے رہتے۔ 1896ء سے ہی آپ نے انجمن حمایت اسلام کی کاروائیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ آپ اس کے سیکرٹری بھی رہے۔ انجمن کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت سے بڑی بڑی شخصیات سے آپ کا تعارف ہوا۔ آپ ان اجلاس میں باقاعدہ اپنا کلام پیش کیا کرتے تھے۔ خواجہ حسن نظامی اور مولانا غلام قادر گرامی سے آپ کی ملاقات یہی ہوئی جو بعد ازاں سیاسی جدوجہد میں بہت کارگر ثابت ہوئی۔

بعدازاں اسی انجمن سے آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس لاہور میں وجود میں آئی اس کے پہلے جنرل سیکرٹری علامہ اقبال ہی منتخب ہوئے مگر جب آپ نے محسوس کیا کہ مسلمان عالمی اخوت کے نصب العین سے غافل ہو کر برادریوں میں بٹتے جا رہے ہیں تو کشمیری برادری کی بہبود کے لئے بنائی جانے والی اس تنظیم سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور برادری سے بڑھ کر امت کے اتحاد اور بہبود کو اپنا مرکز جہد بنا لیا۔

مگر یہ سماجی سرگرمیوں کا سلسلہ ان طلبہ تحریکوں سے آگے نہ بڑھا اور آپ تعلیم کے لیے انگلستان اور پھر جرمنی چلے گئے جہاں سے آپ نے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی اور مغربی معاشرت اور ذہنیت کو اتنے قریب سے دیکھا کہ روایتی مغرب پسندانہ سوچ سے کلیتا بیزار ہو گئے۔ جس کا تذکرہ جا بجا آپ کے کلام میں نظر آتا ہے۔

اگرچہ سرسید نے مسلمانوں کو سیاست میں حصہ لینے سے منع کر رکھا تھا مگر تعلیم یافتہ طبقے میں سیاسی بیداری اور غلامی سے بیزاری اور آزادی کی آرزو انگڑائیاں لینے لگی تھی۔

1905ء میں تقسیم بنگال سے مشرقی و مغربی بنگال کی تشکیل عمل میں آئی تو مشرقی بنگال میں مسلمان اکثریت سے ان کی ترقی کے مواقع کھلنے کے آثار دکھائی دینے لگے۔ جس سے یہ خیال زور پکڑتا گیا کہ اگر مسلمانوں کو کچھ علاقوں میں اکثریت حاصل ہو جائے تو ان کی زندگی سہل ہوسکتی ہے مگر ہندوؤں نے احتجاج کر کے 1911ء میں تنسیخ تقسیم بنگال کروالی۔ یہ وہ موقع تھا جب اقبال نے وطنی قومیت کے جذبے کی کمی کو مسلمانوں میں محسوس کیا اور اس کا اظہار اپنے اشعار میں بھی کیا۔ آپ وہ پہلے شاعر تھے جس نے ہندوستان میں وطنیت کے جذبے کو فروغ دیا اور اس کا اعتراف خلیفہ عبدالحکیم نے یوں کیا کہ وطن پرستی کی تحریک ہندوؤں میں مسلمانوں سے قبل پیدا ہوئی مگر مسلمان قوم کوئی ایسا شاعر نہ پیدا کرسکی جو اس جذبے کو ابھارے مگر اقبال نے جب اپنے شاعرانہ کمال کو وطنیت کے لیے وقف کیا تو مسلمان کے علاوہ ہندو زیادہ متاثر ہوئے اور تب یہ نعرہ مقبول ہوا "سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا"۔

1911ء سے قبل ہی 1907ء میں مغربی معاشرت اور عالمی سیاست کے پیچ وخم کے بغور جائزہ کے بعد آپ ذہنی اور فکری انقلاب کے ایک ایسے ارتقائی دور سے گزرے کہ آپ نے ہندو مسلم اتحاد کے خیال سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور آپ کی شاعری میں اسلام کا عنصر مزید نمایاں ہوتا چلا گیا۔

سماجی طور پر سرگرم ہونے کے باوجود آپ نے 1926ء سے قبل عملی سیاست میں حصہ نہ لیا مگر آپ فکری اعتبار سے ہمیشہ سے سیاست میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس متن میں سر سید احمد خان کے سیاسی نقطہ نظر کے حامی تھے جس کے مطابق ہندوستان میں امن کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں کا مرکزی حکومت میں برابر کا حصہ ہونا ضروری ہے مگر یہ بات ہندوؤں کو کسی طور پر روا نہ تھی جس کا عملی ثبوت تنسیخ تقسیم بنگال سے مل گیا تھا۔

1926ء میں پنجاب قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لے کر عملی سیاست میں قدم رکھا اور کامیاب امیدوار قرار پائے۔

1926ء سے 1930ء تک حکومتی و غیر حکومتی شخصیات سے میل ملاپ اور سیاسی سرگرمیاں عروج پر رہیں۔ ہندوستان کے اس وقت کے ماحول سے آپ کا اس بات پر یقین اور بھی بڑھ گیا کہ ہندوؤں سمیت تمام عالمی طاقتیں ہر صورت اسلام اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنے پر مصر ہیں۔ اور وہ کسی صورت مسلمانوں کو معاشرتی، معاشی یا سیاسی اشتراک کے ساتھ قبول نہیں کرسکتیں۔ چناچہ 1930ء میں خطبہ الہ آباد

میں آپ نے اس خیال کو آواز بخش دی جس نے مسلمانان ہند کے مقدر کا فیصلہ کرنا تھا۔ 1930ء سے 1932ء تک دو گول میز کانفرنسوں میں اپنے نقطۂ نظر اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا بھرپور دفاع کیا۔

یہ علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی تھی کہ آزادی سے کم و بیش 17 سال قبل علی الاعلان اور بالعموم لندن سے 1908ء میں واپسی کے بعد سے ہی آپ نے مسلمانوں کے ہندوستان میں مستقبل کو دیکھ لیا تھا اور نہ صرف اس حقیقت کو سمجھا بلکہ اس حقیقت کے لیے مسلمانوں کو اپنے کلام سے آگاہ بھی کیا۔ عملی سیاست کے ذریعے بھرپور انداز میں اس بیانیے کے لئے جدوجہد کی۔ یہی وجہ ہے کہ 1930ء تک جو لوگ علامہ اقبال اور محمد علی جناح سمیت باقی علیحدہ پسند رہنماؤں کے مخالف تھے۔ 1937ء کے عام انتخابات کے بعد اس نظریے کے قائل ہونا شروع ہو گئے جس سے تحریک آزادی نے زور پکڑا اور 1947ء میں اقبال کا خواب پاکستان شرمندہ تعبیر ہوا۔ شاید یہی وہ خدمت تھی جس کا علامہ اقبال کے والد نے ان سے عہد لیا تھا۔ اور یہی وہ مقصد تھا جس نے علامہ اقبال کو ہندوستان کی زمین پر پیدا کیا تھا مگر امت مسلمہ کے لیے آپ کا خواب اور پیغام ابھی تک شرمندہ تعبیر ہونے کا منتظر ہے۔

علامہ اقبال کو صرف شاعر سمجھنا اقبال شناسی کے منافی ہے۔ ان کی شخصیت کے تخلیقی پہلوؤں میں اس قدر جامعیت ہے کہ ایک گوشہ جان کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہی کل شخصیت کے لئے کافی ہے مگر آپ ہر پہلو میں اتنی جامعیت اور استقامت ہے کہ ان کی شخصیت کا احاطہ کرنا بذاتِ خود ایک تخلیق ہے۔آپ نہ صرف ایک شاعر بلکہ مفکر، مدبر، قانون دان، سیاستدان، فلسفی، صوفی اور پختہ مومن تھے۔ نہ صرف آپ کی ذات بلکہ آپ کی فکر بھی کلیت اور جامعیت کا مرقع تھی۔ آپ نے تضاد کے بغیر عقل اور عشق کا تقابلہ جس انداز میں کیا وہ عام انسان کے فکر و شعور کو جھنجوڑ کے رکھ دیتا ہے اور قاری کو ششدر چھوڑ دیتا ہے۔آپ کے فکر میں عقل بھی عروج پر ہے اور عشق بھی کمال پر۔آپ نے جہاں ایک طرف جوانوں کو عشق و جنون کا سبق دیا وہی عقل، تدبر اور حکمت کو نصب العین بنا کر زندگی کا مقصد حاصل کرنے کی تلقین بھی کی۔

گویا اقبال ایک ایسا سنگم ہیں جہاں علم و عرفان کے بہت سے دریا آ کر ملتے ہیں۔ بحرِ عرفان و بحرِ ایکان، بحرِ فلسفہ وبحرِ قدامت، بحرِ سکون و بحرِ انقلاب اور سنگمِ مشرق و مغرب کا نام اقبال ہے۔

تاریخ میں بہت ساری نامور شخصیات گزری ہیں مگر ان کو کسی ایک مذہب یا خطے کے لوگ پڑھتے ہوں گے مگر عالمِ اسلام کی چار ہستیاں ایسی ہیں جنھوں نے مشرق و مغرب کو اپنا گرویدہ بنایا ہوا ہے۔ وہ چار ہستیاں ہیں :امام غزالی، ابن العربی ،مولانا رومی اور علامہ اقبال۔

یہ ان کے پیغام کی صداقت اور عالمگیریت تھی جس نے انھیں مغرب ومشرق ، عقیدہ و مذہب، نسل و زبان سے بالا تر ہو کر ہر خطے تک پہنچا دیا۔

آپ کا پیغام علم و عرفان، فقر و عشق، حیاتِ جاویداں، معرفتِ قرآن اور نسبتِ صاحبِ قران کے امتزاج کا بہترین و کامیاب مجموعہ ہے۔ آپ کے فکر کے سرچشمے تین ہیں: قرآن، بارگاہِ رسالت اور رومی۔ آپ نے 1935ء میں محمد حسین عرشی کے ایک خط کے جواب میں جو لکھا وہ آپ کے ان تینوں بالا تذکرہ عوامل کے ساتھ تعلق کی توثیق کرتا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے ان کو روحانی مشکلات کے حوالے سے راہنمائی فرمائی اور پھر مثنوی کے حوالے سے فرمایا کہ:

"آپ اسلام اوراس کے حقائق سے لذت آشنا ہیں۔مثنوی رومی پڑھنے سے قلب میں گرمیٔ شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیے۔شوق خود مرشد ہے۔ میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکا ہوں۔ میں اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو قرآن یا مثنوی رومی۔ افسوس ہم اچھے زمانے میں پیدا نہ ہوئے "

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
ایک بھی صاحبِ سرور نہیں

اس کے بعد آپ نے عرشی صاحب سے ملاقات کے لئے کہا جس کا احوال کچھ یوں ملتا ہے کہ علامہ اقبال نے سورۃ نجم کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت فرمائی اور شرح کرتے ہوئے مقامِ ناصوت کو بیان کیا پھر مقامِ لاہوت کو، پھر عقل اور

وحی کو، پھر حقیقتِ بشریت کو، پھر عرشِ الوہیت اور پھر کعبہ قوسین میں کمانوں کے دو دائروں کی شرح کی۔ اس کے بعد علم لدنی کو بیان کیا۔ آپ نے علامہ سے دریافت کیا کہ علم کی کتنی قسمیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: دو قسمیں ہیں۔علم العوام اور علم الخواص۔علم العوام ،مخلوق کا علم مخلوق کے لئے ہے۔ اور علم الخواص ، خواص کو عطا کیا جاتا ہے۔ اس میں کسب کا دخل نہیں۔ یہ قلب و روح کے اعمال سے چشمے کی طرح ابلتا ہے اور خواص کی نشاندہی کرتا ہے۔

آپ نے پوچھا یہ کیسے حاصل ہوتا ہے؟

علامہ اقبال نے فرمایا : تزکیہ نفس سے۔

آپ نے پوچھا تزکیہ نفس کا طریقہ کیا ہے؟

تو علامہ اقبال نے جواب دیا :اس کا طریقہ صوفیاء سے سیکھو اور پھر فرمانے لگے کہ مجھ پر زندگی اور موت کا راز منکشف بارگاہِ رومی سے ہوا۔

اقبال کی فکر میں خودی کی بحث اور واعظ تسلسل کے ساتھ موجود ہے کیونکہ آپ خودی کو حصولِ معرفت کی اساس مانتے ہیں۔ خودی ایک ذومعنی لفظ ہے۔ ایک خودی وہ ہے جو ذات کا عرفان عطا کرتی ہے۔ یہ خودی اس بات پر موقوف ہے کہ اپنی ذات کو پہچانو، خاموش ہو جاؤ اور اپنے اندر خود سپردگی پیدا کرو۔ یہ خودی انسان کو اپنی ذات سے بے نیاز کر کے مالک کے آگے سرِ تسلیم خم کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ جبکہ خودی کا دوسرا تصور تکبر کا ہے جو انسان کو اپنی ذات کے علاوہ ہر ایک سے یوں بیگانہ کر دیتی ہے کہ انسان فرعون بن کر خدائی کا دعوی کرنے لگتا ہے جبکہ عرفانِ ذات کی خودی منصور جیسے عاشق پیدا کرتی ہے۔دعوی دونوں خودی کا کر رہے ہیں مگر منزل اور مقصود جدا ہے۔ اقبال کے ہاں خودی کا تصور عرفانِ حق اور عرفانِ ذات کا ہے۔ اسی لئے وہ لکھتے ہیں

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

آپ کے نزدیک خودی کی آبیاری کے لئے عشق کی زمین موزوں ترین ہے اور بارگاہِ حق میں تسلیم و رضا اور ہر باطل سے استغنٰی و بے نیازی خودی کی شرط ہے۔

آپ کے کلام سے خودی کی دو جہتیں ملتی ہیں:

ایک ذات کی خودی اور دوسری جماعت کی خودی۔

فرد کی خودی کے بارے میں فرمایا:

خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

جبکہ جماعت کی خودی سے مراد معاشرے اور قوم کی خودی ہے۔

اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احسان

سفالِ ہند سی مینہ و جام پیدا کر

یعنی اگر ایک فرد کی معراج خودی پر منحصر ہے تو ایک قوم کا عروج بھی اسی خودی کا محتاج ہے۔ اقبال نے ان دونوں جہتوں کو امت اور بلخصوص نوجوانوں میں بیدار کرنے کی حتی المقدور کوشش کی کیونکہ ایک مسلمان جو اللہ پر ایمان کا دعوی کرتا ہے جب تک تصورِ خودی سے ناواقف ہے تب تک اسے ذاتِ حق کی معرفت نہیں ہوسکتی اور اس کے بغیر مسلمان ایمان کے حقیقی تصور اور لذتِ ایمان و یقین سے کبھی آشنا نہیں ہوسکتا۔

بلا شبہ اقبال شعور،فکر، عرفان،علم اور عمل کا ایک بحرِ بیکراں ہیں۔ آپ وقت اور امت کا وہ قیمتی اثاثہ ہیں جسے ہر دور اپنے دامن میں سجا کر اپنی قدر و قیمت بڑھاتا رہے گا۔ اقبال جامعیت اور عالمگیریت کا وہ عملی پیکر ہیں کہ جسے نسلِ انسانی کا ہر طبقہِ فکر بلا امتیاز و بلا اختلاف ماننے اور اپنانے کو تیار ہے مگر بدقسمتی سے بعض طبقہ ہائے فکر اپنی منشاء کے مطابق جزو نکال لیتے ہیں اور اس جز کو کلیت مان لیتے ہیں جو فکرِ اقبال سے سراسر زیادتی ہے۔ آپ خضرِ عصر ہیں اور آپ کا پیغام، پیغامِ حیات ہے جو تمام انسانیت کے لئے ہے۔ آپ نے اس پیغام سے امت اور قوم کو اندھیرگی میں روشنی سے آشنا کر کے حیات کا علمبردار بنا دیا۔ تاریخ بنی نوع انسان ایسی نادر ہستیوں کی ہمیشہ مقروض رہتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حوالہ جات:

کتاب :زندہ رود از جاوید اقبال (ولیم 1،2)

آرٹیکل :اقبال ایک باپ کی حیثیت سے از جاوید اقبال

☆☆☆☆☆

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

اقبالؒ کا نظریہ وطنیت اور بانگِ درا

مغرب نے وطنیت کو اجتماعی زندگی کا ایک نظریہ قرار دیا ہے

حلیمہ سعدیہ

اقبال کی ابتدائی شاعری میں جو جذبہ بھرپور انداز میں سامنے آتا ہے وہ وطن پرستی کا جذبہ ہے اگرچہ اس دور کی شاعری میں قدرت کے حسن کی پرستش اور روایتی عشقی مضامین کی جھلک بھی موجود ہے لیکن جو رنگ سب سے زیادہ اثر انگیز ہے وہ وطن سے محبت کا ہے۔

ہر انسان کی طرح اقبال کو بھی اپنے وطن ہندوستان سے گہری محبت تھی چنانچہ ان کی بعض نظمیں مثلاً ''تصویرِ درد'' ''قدانہ ہندی'' ''نیا شوالہ'' اور ''ہندوستانی بچوں کا گیت'' وغیرہ وطن پرستی کے بہت نفیس جذبات سے بھری پڑی ہیں۔ بانگ درا جو اقبال کا اولین شعری مجموعہ ہے اس کا آغاز ہی ایک ایسی نظم سے ہوتا ہے جو وطن پرستی کے بلند پایہ جذبات سے بھرپور ہے ''ہمالہ'' جو بانگ درا کا حصہ بننے سے پہلے ہی خاصی شہرت حاصل کر چکی تھی میں اقبال کہتے ہیں:

امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستان ہے تُو
پاسباں اپنا ہے تُو دیوارِ ہندوستان ہے تُو
مطلعِ اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تُو
سوئے خلوت گاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تُو

(محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1982ء، ص۲۲)

اقبال نے ابتدائی دور میں ہندو مسلم اتحاد اور جذبہ وطنیت پر بڑی پُرجوش نظمیں لکھیں اور ان نظموں کی وجہ سے اقبال مسلمان اور ہندو دونوں میں خاصے مقبول ہوگئے۔ اقبال کو اپنے ہم وطنوں کی بے علمی تنگ نظری اور تعصب سے بہت افسوس ہوتا تھا چونکہ اقبال بہت ذہین اور باریک بیں انسان تھے اس لیے وہ ہندوستانیوں میں جڑ پکڑ جانے والی خامیوں سے آگاہ تھے اور وہ انہیں محبت اور امن و آشتی کے پیغام کے ساتھ یہ تلقین بھی کرتے تھے کہ ہندوستانی عوام حقیقت شناس اور بلند خیال ہوجائیں اور مل جل کر ترقی کے لیے کوشش کریں۔

اگرچہ بعد میں اقبال کے خیالات میں بعض حوالوں سے تبدیلی آگئی لیکن قیام یورپ سے پہلے لکھی گئی نظمیں اقبال کی وطنی محبت کی مظہر ہیں مثلاً ''تصویر درد'' میں وہ ہندوستان کی قسمت پر ان الفاظ میں اظہار افسوس کرتے ہیں:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1982ء)

''ہندوستانی بچوں کا گیت'' ایسی نظم ہے جس کا ایک ایک لفظ شاعر کے وطن پرستانہ جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ اس نظم میں اقبال کی وطن پرستی اپنے نقطہ عروج پر نظر آتی ہے۔

یونانیوں کو جس نے حیراں کردیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا

ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

(محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1982ء، ص ۸۷)

اس نظم کا آخری بند خصوصاً اپنی مثال آپ ہے کہ اس میں اقبال نے نہایت عمدہ انداز میں اپنے وطن کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اقبال نے اس دور میں ہندوستان میں وطنیت کے جذبے کو گرما دیا تھا اور اقبال کی نظمیں جو وطن پرستی پر مبنی تھیں عوام میں نہایت جوش وخروش کے ساتھ پڑھی اور سنی جارہی تھیں اس حوالے سے خلیفہ عبدالحکیم اپنی تصنیف فکر اقبال میں لکھتے ہیں:

''اقبال نے جب اپنے شاعرانہ کمال کو وطنیت کی خدمت کے لیے وقف کیا تو مسلمانوں کے علاوہ بلکہ ان سے زیادہ ہندو اس سے متاثر ہوئے: ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' ملک کے طول وعرض میں گونجنے لگا، بعض ہندو مدارس میں مدرسہ شروع ہونے سے قبل تمام طالب علم اس کو ایک کورس میں گاتے تھے''۔ (خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال لاہور، طبع سی پنجم، جون ۱۹۸۳ء، ص ۳۸)

اقبال کی تصانیف میں بھی وطن دوستی کے لطیف جذبات موجود ہیں مثلاً ''جاوید نامہ'' اور مثنوی میں وطن دوستی کے جذبات کی عکاسی بھی ہے۔ خاص طور پر ''جاوید نامہ'' کا وہ حصہ جس میں اقبال نے ''قلزم خونیں'' روح ہندوستان اور اس کے نالہ وفریاد کی تصویر کشی کی ہے اور میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں کو ''ننگ آدم'' ''ننگ دیں'' ''ننگ وطن'' قرار دیا ہے اور ان کی روحوں کو اس قدر ناپاک قرار دیا ہے کہ دوزخ بھی انہیں قبول نہیں کرتی۔

گویا اقبال کے نزدیک وطن سے غداری ناقابل تلافی اور انتہائی مذمت انگیز جرم ہے۔ اقبال نے ایسے مجرموں کو قلزم خونیں میں مبتلائے عذاب دکھایا ہے۔ اقبال کا نظریہ یہ تھا کہ ہر فرد کو اپنے وطن ولادت سے تعلق اور نسبت ہے اور اس اعتبار سے اس کو اپنے وطن سے محبت ہونا ایک فطری امر ہے۔ ''ہندی ترانہ'' لکھنے کے وقت اقبال کے خیالات کی بنیاد یہی نظریہ تھا۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم:

''ہندوستان اگر ایک وطن اور ایک قوم بن سکتا تو اقبال کا وطنیت کا کلام اس کے لیے الہامی صحیفہ ہوتا لیکن ملک کے حالات ایسے تھے کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا''۔ (خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال لاہور، جون ۱۹۸۳ء، ص ۳۸)

وطنیت کا وہ نظریہ جو کہ مغربی اقوام میں موجود تھا اقبال اس کے شدید مخالف تھے اور اس بات کے قائل تھے کہ جب ''وطن'' کو ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔ اقبال وطن کو بت بنا کر پوجنے کے خلاف تھے اور اسے اسلام کی عالمگیر روح کے منافی خیال کرتے تھے۔ بانگ درا میں شامل نظم ''وطنیت'' میں انہوں نے بڑی خوبصورتی سے ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبویؐ ہے

(محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1982ء، ص ۱۶۰)

چنانچہ اس نظم میں اقبال نے ان برے نتائج کی نشاندہی بہت واضح انداز میں کی ہے اور خصوصیت کے ساتھ امت مسلمہ کو اس وطنیت کے بت کو توڑ ڈالنے کی ہدایت کی ہے۔ حب وطن کے حوالے سے اقبال کی ان نظموں کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ اگرچہ وطن پرستی کا زمانہ اقبال کی شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا لیکن خیالات کی گہرائی افکار کی بلندی اور جذبات کی شدت اس دور میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ نظم ہمالیہ میں ہمالیہ کی عظمت بیان کر چکنے کے بعد اقبال اس کی سیاسی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور بڑے جوش وخروش سے کہتے ہیں:

امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تُو
پاسباں اپنا ہے تُو دیوارِ ہندوستاں ہے تُو

(محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1982ء، ص ۲۲)

''صدائے درد'' جو اقبال کی طویل نظم ہے اور

''بانگ درا'' میں شامل ہے اس نظم میں اقبال نے وطن عزیز کی خراب حالی کا نقشہ کھینچنے کے ساتھ ساتھ اس کے مرض کی تشخیص کی ہے اور اس کا علاج بھی تجویز کیا ہے۔ انہوں نے بہت اثر انگیز انداز میں جمود وتعطل کے باعث آنے والے دور کی خوفناک تصویر پیش کی ہے اور اہل ہند کو محتاط ہونے کی ترغیب دی ہے:

رلاتا ہے تیرا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

(محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1982ء)

ہندوستان میں بپا ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات سے اقبال بہت دل گرفتہ تھے وہ ہندوستان کو سربلند اور رفیع المرتبت دیکھنا چاہتے تھے لیکن جب تک باہمی انتشار موجود تھا ایسا ہونا ممکن نہ تھا چنانچہ ہندوستان کی مختلف اقوام اور خاص کر ہندو مسلم تعصب سے متاثر ہوکر نہایت پُر اثر انداز میں اقبال نے کہا:

دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پُرنم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو، رلواتا ہے شبنم کو
شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

(محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع سی نہم، ۱۹۸۲ء، ص۷۳)

وطن سے اظہار عقیدت اقبال نے جن جذبات و نظریات کے تحت کیا وہ وطنیت کے مغربی تصور سے یکسر مختلف ہے۔ مغرب کا تصور قومیت، Nationalism جس کی بدولت وطن کا تصور پیدا ہوا اس کی بنیاد زبان، رنگ، نسل اور محدود خطہ زمین (ملک) پر ہے اس تصور سے قومیت کی ایک محدود صورت پیدا ہوتی ہے جو عالمگیر انسانی برادری کے قیام میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''وطنیت اور قومیت کا تصور اس وطن دوستی کے تصور سے جداگانہ چیز ہے۔ مغرب نے وطنیت کو اجتماعی زندگی کا ایک نظریہ قرار دیا ہے اور ان کے احوال میں یہ بات کچھ ضروری ہوگئی تھی۔۔۔ مذہب کی علیحدگی سے جو خلا پیدا ہوگیا تھا اسے انہوں نے اس طرح پُر کرنا چاہا۔ لیکن انجام کار کیا ہوا۔۔۔ ان میں نسلی، لسانی اور وطنی اختلافات کا ایک غیر محدود سلسلہ قائم ہوگیا''۔ (ایس ایم منہاج الدین، ڈاکٹر، افکار و تصورات اقبال کاروان ادب ملتان بار اول، ۱۹۸۵ء، ص ۱۶۸۔۱۶۹)

اقبال کے نزدیک وطنیت کا یہ تصور مغربی تہذیب کا پیدا کردہ ہے جو عالم انسانیت کو لادینیت، دہریت، اقتصادی کشمکش اور بدامنی میں مبتلا کررہا ہے۔ اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''یورپ کا تجربہ دنیا کے سامنے ہے۔ جب یورپ کی دینی وحدت پارہ پارہ ہوگئی تو ان کو اس بات کی فکر ہوئی کہ قومی زندگی کی اساس وطن کے تصور سے تلاش کی جائے۔ اس کا کیا انجام ہوا اور ہورہا ہے''۔ (ایس ایم منہاج الدین، ڈاکٹر، افکار و تصورات اقبال، کاروان ادب ملتان، صدر، ۱۹۸۵ء، ص ۱۶۹)

گویا مغرب کے تصور وطنیت اور قومیت کو اقبال انسانیت کے لیے خطرہ عظیم سمجھتے ہیں۔ خطبہ صدارت مسلم کانفرنس، منعقدہ لاہور ۱۹۳۲ء میں اقبال نے کہا:

''میں یورپ کے پیش کردہ نیشلزم کا مخالف ہوں اس لیے کہ مجھے اس تحریک میں مادیت اور الحاد کے جراثیم نظر آرہے ہیں اور یہ جراثیم میرے نزدیک دور حاضر کی انسانیت کے لیے شدید ترین خطرات کا سرچشمہ ہیں''۔ (ایضاً)

اقبال کے ذہنی اور فکری ارتقاء میں یہ بات نظر آتی ہے کہ انہوں نے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک یورپ میں جو قیام کیا اس دوران انہوں نے وطنیت اور قومیت کے مسائل پر غور وفکر کیا اور انہیں محسوس ہوا کہ مسیحیت کا پرچار کرنے والی اقوام آپس میں لڑ جھگڑ رہی ہیں اور مسلمان ممالک بھی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ چنانچہ اقبال کا تفکر اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کو ان کی جداگانہ حیثیت کا احساس دلانا اشد ضروری ہے اور پھر اقبال نے وطنیت کی محدود فضاؤں سے نکل کر عالمگیر قومیت کا پیغام دیا اور یہ پیغام اقبال کے کلام نظم و نثر کا بنیادی عنصر بن گیا۔ ☆☆☆☆☆

سیلف میڈیکیشن مضر صحت ہے

فرضی فوائد کے لئے غذائی ٹوٹکوں سے اجتناب برتا جائے

اچھی صحت کے لئے کوالیفائیڈ معالج کی ہدایت پر ادویات استعمال کریں

ویشاء وحید

اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کیونکہ اکثر غذائی ٹوٹکے استعمال ہونے سے مریض کو صحت یاب ہونے کے بجائے بیمار ہوتے دیکھا ہے اور یہ ان کو خود بھی نہیں پتہ ہوتا کہ ان کی طبیعت میں خرابی ان فرضی یا مضر صحت ٹوٹکے استعمال کرنے سے ہوئی ہے جو شاید انہوں نے صبح سویرے چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے سامنے لگے ٹیلی ویژن پر سنے تھے اور پھر پورے گھر والوں کو شام کی چائے میں بتائے یا شاید کسی Forward مسیج کو ڈاکٹر کا نسخہ سمجھ کر سچ مان لیا اور عمل شروع کر دیا مگر شاید TV دیکھنے کے دوران آپ کی بجلی چلی گئی اور آپ نے آدھے ٹوٹکے کو ہی پورا سچ سمجھ کر اپنے لیے باران رحمت سمجھا جبکہ وہ حصہ جس میں اس ٹوٹکے کو استعمال کرنے اور اس کے ممکنہ نقصانات بتائے گئے تھے وہ سننا آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور شاید وہ Foward App مسیج آپ نے اتنا Fastly فولو کیا کہ اس کی مدت استعمال اور بیماری کی پیچیدگی کا جانے بغیر ہی آپ نے اپنے معمول کا حصہ بنالیا۔ روزانہ TV پر موبائلز پر درجنوں ٹوٹکے اور غذائی ہدایات گردش کرتی ہیں اور آپ بغیر سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ بغیر کسی تحقیق بغیر کسی ماہر سے مشورہ کیے۔ کیا آپ نے کبھی اپنی اس عادت پر تعجب نہیں کیا۔ آپ نے کبھی گھر کا کوئی سامان خریدنا ہو تو 3,4 لوگوں سے مشورہ کرتے ہیں۔ 2,3 دکانوں کا چکر لگاتے ہیں نیز تحقیق کرتے ہیں پھر خریدتے ہیں جو سامان آپ نے اپنے جسم میں ڈالنا ہے اس کو کیسے آپ بغیر تحقیق کے استعمال کر سکتے ہیں۔ سالہا سال کی تحقیق اور تجربات کے بعد ایک چیز کی افادیت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے کہ کسی ایک ٹوٹکے نے کسی ایک انسان کو فائدہ دیا تو کیا وہ ہر انسان کو فائدہ دے گا کیا آپ اسی ماحول میں رہتے ہیں جس میں وہ رہتا ہے کیا آپ وہ چیز اسی وقت میں کھاتے ہیں جس میں وہ کھاتا تھا کیا آپ ملکی وراثتی مادے لے کر پیدا ہیں جو اس آبادی میں موجود ہیں کیا آپ بھی اتنا ہی سوتے ہیں اتنی ہی ورزش کرتے ہیں وہ ادویات لیتے ہیں جو وہ شخص لیتا ہے جس کی دیکھا دیکھی آپ نے یہ ٹوٹکے استعمال کرنا شروع کیے ہیں۔ یقیناً نہیں تو پھر اب سے کوئی بھی غذائی ٹوٹکا استعمال کرنے سے پہلے ذرا سوچئے گا۔ آج ہم انہی ٹوٹکوں کے فائدے اور

اگر آپ ایسی کوئی چیز لے رہے ہیں جس کا تعلق شوگر، بلڈ پریشر، کولیسٹرول سے کوئی تعلق ہے تو اس ٹوٹکے کے استعمال کے ایک ماہ بعد اپنے ٹیسٹ ضرور کروائیں

آپ کو کوئی بھی ٹوٹکا اپنے معمول میں لانے سے پہلے تھوڑا سوچنا ہوگا۔ ایک اپنے لیے Chceck list بنانی ہوگی۔ اگر آپ کہیں سے بھی کوئی چیز سنتے ہیں اور اسے اپنے معمول میں شامل کرتے ہیں تو اصول یہ ہے کہ اگر آپ کسی کے کہنے پر کوئی علاج شروع کرتے ہیں تو 7-5 دن کے اندر اس علاج کے مثبت اثرات آپ کے جسم میں آپ کو نظر آنے چاہیے۔

نقصانات کے بارے میں بات کریں گے۔

۱۔ کریلے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ذیابیطس کے مریضوں کے لیے مفید ہے مگر کوئی انسان ایسا ہے جس کے جسمانی مزاج کو کریلا سوٹ ہی نہیں کرتا تو کیا یہ بات سمجھ لینے کی ہے انسانی جسم کوئی ایسی سیدھی اور عام چیز نہیں ہے یہ ایک Complex نظام ہے اس لیے وہ ایک چیز جو ایک انسان کے جسم سے میل کھا گئی ضروری نہیں کہ وہ دوسرے انسان کے جسم سے بھی میل کھائے۔

۲۔ انڈے کے بارے میں 2 طرح کی رائے رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ ایک کہتے ہیں انڈا کولیسٹرول بڑھاتا ہے اور ایک کہتا ہے انڈا روزانہ کھانے سے جسم کو بہت سارے ضروری غذائی اجزاء ملتے ہیں۔ اگر آپ سنی سنائی باتوں پر رہیں تو آپ کہیں کے بھی نہیں رہیں گے بہتر یہ ہے کہ اس کے بارے میں کسی ماہر سے بذات خود تحقیق کریں۔ اللہ نے ہر قدرتی خوراک میں دونوں فائدے اور نقصان رکھے ہیں۔ اگر آپ کسی بھی اچھی خوراک کو ضرورت سے زیادہ لیں گے تو اس کے اندر کا نقصان دینے والا مادہ حرکت میں آجائے گا اگر انڈا آپ ہفتے میں 2,3 بار کھا رہے ہیں تو ان کی زردی بھی آپ کو نقصان نہیں دے گی اور آپ کا کولیسٹرول بہتر کرے گی مگر یہی انڈا اگر آپ روزانہ کھائیں گے تو لازمی طور پر وہ آپ کو نقصان دے گا۔

۳۔ پانی کی بات کر لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے جو جتنا زیادہ پانی پیتا ہے اس کی صحت، جلد، گردے اتنے ہی اچھے رہتے ہیں۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے آپ کو ایک خالی ٹینکی تصور کر لیں اور دھڑا دھڑ پانی پیتے رہیں۔ سردیوں میں 4-6 گلاس اور گرمیوں میں 8-10 گلاس سادہ پانی ایک معتدل مقدار ہے۔ اس سے زیادہ پانی پینے سے آپ کا جسم اور جلد خوبصورت تو کیا ہی ہوگی بلکہ الٹا آپ کے جسم میں پانی بھرنا شروع ہوجائے گا اور آپ بیماریوں کی طرف چل پڑیں گے۔

۴۔ آپ کو کوئی بھی ٹوٹکا اپنے معمول میں لانے سے پہلے تھوڑا سوچنا ہوگا۔ ایک اپنے لیے Check list بنانی ہوگی۔ اگر آپ کہیں سے بھی کوئی چیز سنتے ہیں اور اسے اپنے معمول میں شامل کرتے ہیں تو اصول یہ ہے کہ اگر آپ کسی کے کہنے پر کوئی علاج شروع کرتے ہیں تو 7-5 دن کے اندر اس علاج کے مثبت اثرات آپ کے جسم میں آپ کو نظر آنے چاہیے۔ اب وہ مثبت اثرات کیا ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ چہرے پر ایک سکون کا نمایاں ہونا
۲۔ آپ کے اندر ایک اطمینان کا احساس
۳۔ معدے کا ٹھیک ہونا

یہ وہ چیزیں ہیں جو آپ نے دیکھنی ہیں اگر بغیر تحقیق کیے کسی کے اثر میں اگر آپ نے کوئی ٹوٹکا استعمال کرنا ہی ہے تو یہ چیزیں چیک کریں اگر تو یہ مثبت ہیں تو وہ ٹوٹکا شاید آپ کے مزاج سے میل کھا جائے اگر نہیں تو وہ ٹوٹکا آپ کو فائدے کے بجائے نقصان دے رہا ہے اور آپ اس کے منفی اثرات سے بے خبر ہیں۔ اگر آپ ایسی کوئی چیز لے رہے ہیں جس کا تعلق شوگر، بلڈ پریشر، کولیسٹرول سے کوئی تعلق ہے تو اس ٹوٹکے کے استعمال کے ایک ماہ بعد اپنے ٹیسٹ ضرور کروائیں تاکہ واضح ہوسکے کہ وہ آپ کو کوئی فائدہ دے رہا ہے یا نہیں۔

☆☆☆☆☆

آپ کے سوالات کے شرعی جوابات

دھوکہ دہی کے لئے اختیار کی گئی زیب و آرائش منع ہے

اجنبی کو خون کا عطیہ دینا جائز ہے

[illegible]

مرتبہ: فریدہ سجاد

سوال: کیا خواتین بالوں کا عطیہ دے سکتی ہیں؟

جواب: جن خواتین کے بال بیماری کی وجہ گر جاتے ہیں، ان کے لیے اصلی بالوں سے بنی وگز استعمال کرنا جائز ہے۔ اسی طرح وہ خواتین جن کے بالوں کی لمبائی زیادہ ہو وہ مشروط طور پر ایک مخصوص لمبائی کا عطیہ دے سکتی ہیں۔ بالوں کا عطیہ کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ بال اتنے چھوٹے نہ کیے جائیں کہ مَردوں سے مشابہت پیدا ہوجائے، اور دوسری شرط ہے کہ بال مخصوص ضرورت مند عورت کو دیے جائیں، بیچنا منع ہے۔ یہ عطیہ بامرِ مجبوری جائز ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ حدیث مبارکہ میں وگ لگانے والوں پر لعنت کی گئی۔ یہ ان خواتین و حضرات کے بارے میں ہے جو بال ہونے کے باوجود بغیر کسی وجہ کے وگز لگانے کو عادت بنا لیتے ہیں۔ اس کا سبب غیر معمولی فیشن کی حوصلہ شکنی ہے، تاکہ فضول خرچیوں کا راستہ بند ہو اور معاشرے اعتدال پسندی کی طرف بڑھے۔

سوال نمبر: اپنے جسم کا خون کسی اجنبی کو عطیہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: خون کسی اجنبی کو عطیہ کرنا جائز ہے۔ اس سلسلے میں چند امور کی وضاحت درج ذیل ہے:

سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ خون صرف اس شخص کو دیا جائے، جو مرض یا زخمی ہونے کی وجہ سے موت وحیات کی کشمکش میں ہو، اور اسے خون کی ایسی ضرورت ہو کہ اگر خون نہ دیا جائے تو موت کا اندیشہ ہو۔

ایسے شخص کو خون دینے کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

قَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلاَّ مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ

حالانکہ اللہ تعالی نے ان سب جانوروں کی تفصیل بیان کردی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے، مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے۔

(الانعام:۱۱۹)

اس آیتِ مبارکہ سے پتہ چلا کہ بوقتِ ضرورت حرام غذا کا استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ کسی ایسے مریض یا زخمی کو خون دینا جس کی شفایابی انتقالِ خون سے ہی ممکن ہو، حقیقت میں غذا دینے جیسا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں خون عطیہ کرنا جائز ہے۔

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس سے خون منتقل کیا جا رہا ہے، یعنی جو شخص خون عطیہ کر رہا ہے، اس کو کوئی ظاہری ضرر اور نقصان تو نہیں ہو رہا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

عن ابن عباس قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا ضرر ولا ضرار في الاسلام

(احمد بن حنبل، المسند، رقم حدیث:۲۹۲۱)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اسلام میں نہ نقصان (اٹھانا) درست ہے اور نہ نقصان پہنچانا جائز ہے ۔

خون عطیہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ انتقال خون کی تجویز کسی ماہر ڈاکٹر کی ہو۔ کسی عطائی یا نیم حکیم کی نہ ہو۔

اگر درج بالا امور کو دھیان میں رکھ کر خون عطیہ کیا جائے ، تو یہ نہ صرف جائز بلکہ باعثِ ثواب بھی ہے۔

سوال نمبر: کیا لڑکی اپنی عزت بچانے کے لیے خودکشی کرسکتی ہے؟

جواب: خودکشی کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ فعل حرام ہے اور اِس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور جہنمی ہے۔ زندگی اور موت کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جس طرح کسی دوسرے شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے، اُسی طرح اپنی زندگی کو ختم کرنا یا اسے بلاوجہ تلف کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ فعل ہے۔ ارشا ربانی ہے:

وَلَا تُـلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور صاحبانِ اِحسان بنو، بے شک اللہ اِحسان والوں سے محبت فرماتا ہے۔

(البقرۃ،۲: ۱۹۵)

امام بغوی نے سورۃ النساء کی آیت نمبر 30 کی تفسیر کے ذیل میں سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت نمبر 195 بیان کرکے لکھا ہے:

وقيل :أراد به قتل المسلم نفسه.

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کسی مسلمان کا خودکشی کرنا ہے۔

(بغوی، معالم التنزیل، ۱: ۴۱۸)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حضرت سعید بن زید ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت کرنے کے باعث قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے۔ جو اپنی بیوی، اپنے خون اور اپنے دین کی حفاظت کرنے کے باعث قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے

وَلَا تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ (النساء، ۴: ۲۹)

اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو

امام فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

(وَلَا تَـقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ) يـدل على النهى عن قتل غيره وعن قتل نفسه بالباطل.

(اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو) یہ آیت مبارکہ کسی شخص کو ناحق قتل کرنے اور خودکشی کرنے کی ممانعت پر دلیل شرعی کا حکم رکھتی ہے۔ (رازی، التفسیر الکبیر، ۱۰:۵۷)

درج بالا آیات اور ان کی تفاسیر سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں خودکشی قطعاً حرام ہے۔ اس لیے اگر کسی لڑکی پر خدانخواستہ حملہ ہو اور اسے عزت کے لٹنے کا ڈر ہو تو لڑکی اپنی بساط کے مطابق مزاحمت کرے، نہ کہ اپنی جان لے۔ کیوں کہ دورانِ جہاد بھی خودکشی کرنے والا جہنمی ہے، جس پر حدیثِ مبارکہ گواہ ہے۔ کسی غزوہ کے دوران میں مسلمانوں میں سے ایک شخص نے خوب بہادری سے جنگ کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس کی شجاعت اور ہمت کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علمِ نبوت سے انہیں آگاہ فرما دیا کہ وہ شخص دوزخی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سن کر بہت حیران ہوئے۔ بالآخر جب اس شخص نے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے خودکشی کرلی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ خودکشی کرنے والا چاہے بظاہر کتنا ہی جری و بہادر اور مجاہد فی سبیل

اللہ کیوں نہ ہو، وہ ہرگز جنتی نہیں ہوسکتا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

إِلْتَقَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم وَالْمُشْرِكُونَ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، فَاقْتَتَلُوا، فَمَالَ كُلٌّ قَوْمٍ إِلَى عَسْكَرِهِمْ، وَفِي الْمُسْلِمِينَ رَجُلٌ لَا يَدَعُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ شَاذَّةً وَلَا فَاذَّةً إِلَّا اتَّبَعَهَا، فَضَرَبَهَا بِسَيْفِهِ، فَقِيلَ :يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَجْزَأَ أَحَدٌ، مَا أَجْزَأَ فُلَانٌ .فَقَالَ صلى الله عليه وآله وسلم :إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ .فَقَالُوا: أَيُّنَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِنْ كَانَ هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ .فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ :لَأَتَّبِعَنَّهُ، فَإِذَا أَسْرَعَ، وَأَبْطَأَ، كُنْتُ مَعَهُ حَتَّى جُرِحَ، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ، فَوَضَعَ نِصَابَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَجَاءَ الرَّجُلُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم :فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ، فَقَالَ :وَمَا ذَاكَ فَأَخْبَرَهُ .فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ وَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

ایک غزوہ (غزوہ خیبر) میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین کا آمنا سامنا ہوا اور فریقین میں خوب لڑائی ہوئی، پھر (شام کے وقت) ہر فریق اپنے لشکر کی جانب واپس لوٹ گیا۔ پس مسلمانوں میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو کسی اِکا دُکا مشرک کو زندہ نہ چھوڑتا بلکہ پیچھا کرکے اسے تلوار کے ذریعے موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آج جتنا کام فلاں نے دکھایا ہے اتنا اور کسی سے نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :وہ تو جہنمی ہے۔ پس لوگ کہنے لگے کہ اگر وہ جہنمی ہے تو ہم میں سے جنتی کون ہوگا !مسلمانوں میں سے ایک آدمی کہنے لگا :میں صورتِ حال کا جائزہ لینے کی غرض سے اس کے ساتھ رہوں گا خواہ یہ تیز چلے یا آہستہ۔ یہاں تک کہ وہ آدمی زخمی ہوگیا، پس اس نے مرنے میں جلدی کی یعنی اپنی تلوار کا دستہ زمین پر رکھا اور نوک اپنے سینے کے درمیان میں رکھ کر خود کو اس پر گرا لیا اور یوں اس نے خودکشی کر لی۔ جائزہ لینے والے آدمی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا :بات کیا ہوئی ہے؟ اس شخص نے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :بے شک ایک آدمی جنتیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے جیسا کہ لوگ دیکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ جہنمی ہوتا ہے؛ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے دیکھنے میں وہ جہنمیوں جیسے کام کرتا رہتا ہے لیکن درحقیقت وہ جنتی ہوتا ہے۔

(بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ۴: ۱۵۴۱، رقم: ۳۹۷۰)

(مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب غلظ تحریم قتل الإنسان نفسہ، ۱: ۱۰۶، رقم:۱۱۲)

درج بالا حدیث میں آقا علیہ السلام نے واضح طور پر فرما دیا کہ مشکلات کا مقابلہ کرنا جنتیوں والا، اور مشکلات میں خودکشی کر لینا جہنمیوں کا کام ہے۔ اگر مذکورہ لڑکی یا کوئی بھی فرد اپنی عزت، حرمت اور نظریات کے لیے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ اَهْلِهِ اَوْ دُونَ دَمِهِ اَوْ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ.

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت کرنے کے باعث قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے۔ جو اپنی بیوی، اپنے خون اور اپنے دین کی حفاظت کرنے کے باعث قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے۔

(احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۰، رقم: ۱۶۵۲، موسسۃ قرطبۃ مصر)

اگر کوئی فرد اپنے اہلِ خانہ، اپنی جان اور دین کے تحفظ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، تو وہ شہید کہلائے گا، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عورت اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مزاحمت میں ماری جائے، تو اس کو بھی مرتبہ شہادت نصیب ہوگا۔☆☆☆☆☆

گلدستہ

قدرت کی نعمتوں سے استفادہ کریں

مایوسی اور گناہوں کی سوچ سے ذہن کو خالی رکھیں

مرتبہ: حافظہ سحر عنبرین

ہماری زندگی میں وقت کے حصے ہوتے ہیں اور اس کے ٹکڑے ہم میں بانٹے جاتے ہیں الگ الگ ذائقوں کے کوشش کریں کہ کڑوا، میٹھے پر حاوی نہ ہو۔ حال پہ ماضی کا دکھ حاوی نہ ہو۔کل کو آج کا پھیکا رنگ بدصورت نہ بنا دے۔ اپنے حصے کے ٹکڑوں کو الگ الگ گوشوں میں سنبھال کر رکھیں۔ اگر برا اچھے پر حاوی ہو گیا تو سب رنگ اُڑ جائیں گے۔

اے بندہ مومن گناہوں کے ہجوم میں، توبہ کی تنہائی میں ، جس نے رب کے رحم کو نہیں پہچانا اس نے خود پر ظلم کیا ہے۔ روح کی مسجد میں جس نے خالق حقیقی کی رضا سے وضو نہیں کیا اس نے بشر ہو کر رب البشر کو نہیں پہچانا۔

یاد رکھیں اصلاح نفس کے چار اصول ہیں:

ا۔ مشارطہ

اپنے نفس کے ساتھ "شرط "لگانا کہ " گناہ " نہیں کروں گا۔

۲۔ مراقبہ

کہ آیا " گناہ "تو نہیں کیا۔

۳۔ محاسبہ

کہ اپنا حساب کرے کہ کتنے " گناہ" کیے اور کتنی "نیکیاں " کیں۔

۴۔ مواخذہ

کہ "نفس "نے دن میں جو "نافرمانیاں " کیں ہیں اس کو ان کی"سزا "دینا اور وہ سزا یہ ہے کہ اس پر "عبادت " کا بوجھ ڈالے۔

کوشش کریں کہ اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہیں تاکہ ہمارا نفس نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو جائے اور ہم اس حال میں اپنے رب کے پاس جائیں کہ ہمارا انجام سورہ فجر کی ان آیات کے مطابق ہو۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

اے اطمینان پانے والی روح، اے نفسِ مطمئن! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل اس حال میں تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے ممتاز بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔(الفجر، ۲۷: ۳۰)

اللہ ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ماضی میں جا کر غلطیوں کو درست تو کوئی بھی نہیں کر سکتا، ہاں البتہ ہر ایک آج اچھی بات کی ابتداء ضرور کر سکتا ہے اور ماضی کی یاد کا محض یہ ہی ایک مقصد ہے۔

چاہے اپنی بُری سوچوں سے خود کو آزاد کرنا ہو۔
چاہے کسی پر غصہ ختم کرنا ہو۔
چاہے کڑوی باتوں کو بُھلانا ہو۔
چاہے نااُمیدی کے بادلوں سے اُمید کی کرن پر دھیان جمانا ہو۔
آگے بڑھیں اور بہتری کا ایک قدم اُٹھائیں۔

جہاں معاف کرنے سے خوشگوار تعلق اور اچھائی کا امکان ھو وھاں بدلہ لینا ظلم ہے۔ اپنے دل کو ہرے بھرے درخت کی مانند بنا کر رکھو۔ سکون امن اور پیار کے پرندے خود ہی اس پر آ بیٹھیں گے۔

پودینے کے فوائد:

پودینہ قدرت کا وہ انمول تحفہ ھے جس سے سینے کی جکڑن، حلق کی بیماریاں پھیپھڑے کے انفیکشن کا علاج کیا جاتا ہے۔ عام طور پر پودینہ کو گھروں میں چٹنی کے طور پر استعمال کرتے ھیں لیکن یہ مزیدار چٹنی جہاں ذائقہ اور خوشبو رکھتی ھے وہاں اس کے فائدے بھی بے شمار ھیں ۔

پودینہ کے استعمال سے سر درد متلی کا خاتمہ ہوتا ہے پودینہ عمل تنفس سے متعلق بیماریوں میں بھی فائدہ مند ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق پودینہ انسانی جلد کے لئے بہت فائدہ مند ہے پودینہ کی پتیوں کا پانی جلد کے لئے بہترین کلینز ہے ، اس کے علاوہ تمام جلدی امراض میں بہت مفید ہے ۔

جیسے خارش کیل مہاسے گرمی دانے وغیرہ ، اس کے علاوہ اگر جلد پر کوئی زہریلا کیڑا کاٹنے کی وجہ سے انفیکشن ہوگیا ہو تو اس میں بھی فائدہ مند ھے کیوں کہ قدرتی طور پر پودینہ میں خطرناک بیکٹیریا کو ختم کرنے کی قوت ھوتی ھے ۔

حلوہ کدو:

سردیوں میں بہت سارے لوگ مختلف مرکبات بناتے ہیں جو بناتے ہیں اصل میں وہی سمجھدار لوگ ہیں یہ دیسی مرکبات صحت کے ضامن ہوتے ہیں ۔

کدو کوئی بھی ہو دل دماغ کیلئے ٹانک کی حیثیت رکھتا ہے۔ جسم میں تراوت پیدا کرتا ہے۔ کدو کھانے والے کی طبیعت میں برداشت پیدا ہو جاتی ہے۔ دماغ میں اچھی باتیں سوچنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔ دل کی مغمومیت فرحت میں بدل جاتی ہے تو آ یئے مزیدار کدو کا حلوہ بنایئے لطف اٹھایئے۔

اب سوال یہ ہے کہ کدو کون سا ہو سبز کدو اور پیٹھا کدو ہی حلوہ کیلئے زیادہ تر استعمال ہوتے ہیں آپ اپنی پسند کے مطابق بنا لیجیے:

اجزاء :

کدو 10 کلو ، دودھ 10 کلو ، بالائی دودھ 500 گرام سے 750 گرام تک

ترکیب تیاری :

کدو کو کدوکش کیجئے دودھ میں ڈال کر پکایئے بالائی بھی ساتھ ہی شامل کر دیجئے۔ جب دودھ خشک ہوجائے تو آگ بالکل ہلکی کر دیجئے اور چینی حسب ضرورت اور پسند کے مطابق شامل کر دیجئے جب حلوہ تیار ہو جائے تو جیب کی اجازت کی مطابق بادام پستہ کشمش شامل کیجئے۔ گھی ڈالنے کی ضرورت نہیں رہے گی بالائی کی وجہ سے خوشبو دیسی گھی کی آئے گی۔ سردی میں چند دن خراب نہیں ہوتا ورنہ فریج میں رکھ لیجیے اور ناشتہ میں گرم کر کے استعمال کیجئے۔ شام کی چائے کیساتھ کھایئے مزہ دوبالا کیجئے۔

تلی ہوئی مچھلی (فنگرفش):

اجزاء :

مچھلی کے فلے (لمبائی میں کاٹ لیں آدھا کلو)، انڈہ (پھینٹا ہوا ایک عدد)، تازہ ڈبل روٹی کا چُورہ ایک پیالی، میدہ (چھنا ہوا آدھی پیالی)، پسی ہوئی کالی مرچ ۱/۲ چائے کا چمچہ)، پسی ہوئی لال مرچ دو کھانے کے چمچے، نمک ایک چائے کا چمچہ، تیل تلنے کے لئے ۔

ترکیب:

ایک پیالے میں مچھلی، لیموں کا رس، نمک کالی مرچ اور لال مرچ ملا کر تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں کڑاہی میں تیل گرم کرلیں ایک پلیٹ میں ڈبل روٹی چؤرہ اور دوسری پلیٹ میں میدہ نکال لیں، مچھلی کا ایک ، ایک ٹکڑا لے کر اسے پہلے انڈے ، پھر میدے اور پھر ڈبل روٹی کے چُورے میں لپیٹ لیں۔ انہیں کڑاہی میں سنہری رنگ آنے تک تلیں اور گرم گرم پیش کریں۔ ☆☆☆☆☆

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے 40ویں یوم تاسیس کی مرکزی تقریب کی تصویری جھلکیاں

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
LAHORE
NOV-2020
Regd CPL No.45

میلاد النبی ﷺ پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی گراں قدر تصانیف